جلد ۱۰۶ نومبر ۱۹۸۶ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تلخیص تفہیم القرآن

تصنیف

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترتیب و تدوین

مولانا صدرالدین اصلاحی

سائز: ۱۸×۲۳/۴ ○ صفحات: ۱۱۷۶

ہدیہ: ——— ۲۲۵/ روپے

اتحاد و اتفاق کا پانچ نکاتی فارمولا

— آج کے اس دور میں ہماری سب سے بڑی کمزوری انتشار و افتراق ہے۔
جب کہ ہماری قوت کا حقیقی سرچشمہ اتحاد و اتفاق ہے۔

— اتحاد و اتفاق کی فضا بحال کرنے کے لیے پانچ بنیادی اُصول یاد رکھیے

— تحریکِ اسلامی کی شاخوں کے لیے اتحادِ ملت کی مہم چلانے کا بہترین معاون و مددگار کتابچہ:۔

اتحادِ ملت کے پانچ بنیادی اُصول

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہدیہ: ۱/۲۵ روپے ○ برائے تبلیغی مقاصد: ۷۵/ روپے سیکڑہ

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ - رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ - اُردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۶	نومبر ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۷ھ	عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

ربیع الاوّل کا آنا ہر مسلمان کو مبارک!

ماہ ربیع الاوّل آتا ہے تو ہر بار ایک بڑا پیغام لے کے آتا ہے اور اسے ہر سال دوہراتا ہے، خاص طور سے ۱۲ تاریخ کو یہ پیغام فضا میں جگمگانے لگتا ہے اور نغمۂ ایمان بن کر ضمیر سے اُبھرتا ہے۔

پیغام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا پیغام ــــ سچی محبت کا پیغام، آدمی کی شخصیت کو جھنجھوڑ دینے والا پیغام، فرد کے انقلاب، قوم و حکومت کے انقلاب اور جہانِ انسانیت کے انقلاب کا پیغام!

مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ محبتِ رسولؐ کے اظہار کے لیے ہم ایسی سرگرمیوں، بھیڑ بھاڑ اور شور و ہنگامہ میں کھو جاتے ہیں، ہم اتنے از خود رفتہ ہوتے ہیں کہ وہ پیغام نہ ہم کو سُنائی دیتا ہے، نہ اس کی گونج اور چکاچوند کا ہمیں پتہ چلتا ہے اور نہ اُس کی زلزلہ افگنی سے ہمارے دل و دماغ میں جنبش پیدا ہوتی ہے۔ ہم جلسوں، جلوسوں، جھنڈوں، نعروں، قوالیوں، نعتوں، میلاد کی محفلوں، درود شریف کے حلقوں، ریڈیائی تقریروں، ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی میلادی رونقوں کے مناظر، پھولوں، ہاروں، خوشبوؤں، چراغوں، قمقموں، عمائدِ حکومت کی نشری تقریروں اور سیرتِ پاک کی بڑی بڑی دلچسپ تقریبوں کے طوفان میں حصولِ ثواب کے لیے (اور بعض لوگ حصولِ تفریح کے لیے) ایسے غوطہ زن ہوتے ہیں کہ نہ دُنیا کا پتہ، نہ دین کی خبر،

دُنیا کے معاملے دُنیا کو چلانے والے جانیں اور دین خدا کے حوالے !

آیئے، قبل اس کے کہ ربیع الاوّل کا محبوب طوفان اُمڈ پڑے اور اس کی پیاری پیاری موجوں کے دل پسند تھپیڑوں سے عقل و حواس پر نشہ طاری ہو جائے، محمدی پیغام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ (روایاتِ لفظی کی کڑی پابندی کے بجائے مدّعا بیان کر دیا گیا ہے)۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام نبی یہ پیغام لے کر آئے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ۔ خدا کی گرفت سے ڈرو اور صحیح زندگی گذارنے کے لیے میری پیروی کرو۔

حضورؐ نے بتایا کہ کوئی نبی اللہ نے ایسا نہیں بھیجا کہ جس کی اطاعت لازم نہ کر دی ہو۔

حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔ (یعنی جب حضورؐ کا حکم و قانون اور اقربا کا مفاد آمنے سامنے آ جائیں تو وہ حضورؐ کے حکم و قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے اور اپنے چہیتوں کا مفاد ٹھکرا دے)۔

حضورؐ اپنے لیے جس درجے کی محبت و وفا چاہتے ہیں اس کا تصور ذیل کے اشارات سے اخذ کیجیے:

حضورؐ نے فرمایا: جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے فیصلہ دے دیا ہو تو پھر کوئی مومن اور مومنہ اپنے لیے کوئی دوسری صورت پسند کرنے کے اختیار سے دست بردار ہو جائیں۔

حضورؐ نے فرمایا: کوئی بھی قضیہ اور مسئلہ پیش آ لے تو اُسے میرے سامنے (یا میری تعلیمات کتاب وسنّت کے سامنے) لایا جائے اور مجھے آخری فیصلہ کرنے والا قطعی حَکَم مانا جائے، پھر جو کچھ میری طرف سے فیصلہ ملے اُسے بے چون و چرا قبول کیا جائے ـــــ ظاہراً ہی نہیں، دل میں بھی اس کے خلاف کوئی ادنیٰ سی تنگی اور ناپسندیدگی یا ناراضامندی باقی نہ رہنی چاہیے، اور بات کو اس شان سے قبول کیا جائے، جیسے قبول کرنے کا بہترین اسلوب ہو سکتا ہے اس

فرمان کی خلاف ورزی کرنے والا ایمان نہیں پا سکتا۔

حضورؐ نے فرمایا: مَیں جو کچھ دُوں اُسے خوشی سے قبول کر لیا جائے اور جس شے سے روک دوں، اُس سے میرا ماننے والا باز رہے۔

حضورؐ نے فرمایا: اہلِ ایمان میرے بہترین نمونۂ زندگی پہ کاربند ہوں اور میری سنّت کے مقابل میں کسی بدعت کو اختیار نہ کریں۔

حضورؐ نے فرمایا: مجھ پہ ایمان لانے والے اپنی پوری جان و جہد سے اسلام کو ہر دوسرے دین (نظامِ اطاعت) پر غالب کر دیں اور سارا دین صرف اللہ ہی کا رہ جائے۔ یعنی کوئی دوسرا اپنی اطاعت کرانے والا نہ رہ جائے۔

اِن چند مختصر اور منتخب کلمات کی صورت میں جو پیغام ہمیں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تحت قرآن کی زبان میں بھی اور حدیث کے الفاظ میں بھی ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اپنی پوری زندگیوں میں میرے لائے ہوئے دین، میری شریعت، میرے فیصلوں، میری اتھارٹی اور میری سنّت کو غالب کیا جائے۔

اپنی ذات یا شخصیت کے دائرے میں، اپنے گھر میں، اپنے کاروبار میں، اپنے دفتر میں، اپنے کھیت میں، مُلک کی معاشی میں، نظامِ تعلیم میں، پارلیمنٹ کے قوانین میں، تھانوں اور کچہریوں کے معاملات میں، ذرائع ابلاغ کے استعمال میں، جنگ کے میدانوں اور صُلح کی مجلسوں میں، ثقافت کی تقاریب میں، آمدنیوں اور اخراجات میں، فرائض اور حقوق کے توازن میں، غریبوں اور کمزوروں کی مشکلات دُور کرنے میں، غرضیکہ تمام دائروں میں شریعتِ محمدیہ کو غالب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام پہ ایمان رکھنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا اہم ترین تقاضا یہی ہے یعنی نفاذِ شریعت۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری حکومت اس سلسلے میں دیانت داری سے مؤثر اقدام کرے اور ماہ ربیع الاوّل کے بابرکت مہینے ہی میں نویں ترمیم کے علاوہ پرائیویٹ شریعت بل پاس کرکے خدا پر ایمان اور نبیؐ پاک سے محبت کا ایسا حق ادا کرے کہ قوم میں اس کے افراد و اعیان پر اعتماد پیدا ہو اور خدا کی طرف سے تائید حاصل ہو۔

دیکھیے فرار و گریز سے کچھ حاصل نہیں، پھر مجبر کا کوئی فائدہ نہیں۔ کئی وجوہ سے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ چند نکات عرض ہیں:

۱۔ اب تک جن لوگوں نے شریعت سے فرار و گریز کا طریقہ اختیار کیا، ان کی حکومتوں کے تخت اُلٹ چکے۔ اُن سے عبرت حاصل کیجیے۔ نفاذِ شریعت سے آپ عوام کی بھاری اکثریت کے دلوں کو اپنے ساتھ لے سکتے ہیں۔

۲۔ معاشرہ میں افراد سے لے کر اداروں تک ایک جمود کئی برس سے اس وجہ سے طاری ہو گیا ہے کہ اُن کے پاس کوئی نصب العین نہیں رہا، اور ان کا مشغلہ بس یہ رہ گیا ہے کہ ایک حکومت کے بعد دوسری حکومت کا انتظار کریں کہ شاید کسی دَور میں بندگی سے بھلا ہونے لگے۔ کبھی جمہوریت، کبھی آمرانہ جمہوریت، کبھی مارشل لا، کبھی غیرجماعتی انتخابی حکومت۔

۳۔ نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے محض ذاتی مفاد و آسائش مقاصد بن گئے ہیں۔ کچھ آبادی تو مجبور ہے کہ اپنی محنت کی حدود میں پابند رہے۔ مگر اور جہاں کہیں سرمایے کی قوت یا اختیارات کی قوت کام کر رہی ہے، ہر شخص دوسروں کی جیبیں کاٹ رہا ہے۔ "شریف" لوگوں کے "جرائم" کی وسعت سے اب کوئی گوشۂ زندگی خالی نہیں رہا۔ پھر بہیمانہ تشدد کے ذریعے باقاعدہ فوجداری جرائم کرنے والوں کا طوفان ہر طرف برپا ہے۔ پھر دوسروں کے آلۂ کار بننے والوں کی طرف سے تخریب کاریاں کرنے اور دہشت پھیلانے کا خوفناک سلسلہ جاری ہے۔ قومی اخلاق و کردار کا اس طرح گرنا اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اب لوگوں کو اُس نصب العین سے دُور ہٹا لیا گیا ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ قربانیاں دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی تحریک سے ان کے اخلاق میں بلندی آتی ہے۔

۴۔ ہمارا نظامِ تعلیم بے لنگر کا ایک جہاز بنا ۳۹ برس سے زندگی کے سمندر میں اِدھر سے

اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہے اور اس کی سمتِ سفر متعین نہیں ہو سکی۔ پھر اس بیمار نظامِ تعلیم کا ایک ستم یہ بھی ہے کہ یہ اچھی اچھی صلاحیتوں کو برباد کرتا اور نالائقوں کو بامِ رفعت پر پہنچاتا ہے۔ ہمارے ہاں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو نظامِ تعلیم کی نالائق نوازی (بوجہ سفارش سازی اور امتحانی خیانت) کا کوئی درماں کر سکتا۔ ایسا جذبہ تازہ تو شریعتِ اسلامیہ ہی دے سکتی ہے۔

۵- صوبوں اور علاقوں اور لسانی عصبیتوں نے اب فتنہ کی یہ چوٹیاں بھی سر کر لی ہیں کہ پاکستان کو صاف صاف ناپسند کرتے ہیں۔ اُسے ختم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، اس نیک کام کے لیے بھارت کو بھی اور روس اور اسرائیل کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ کوئی آئے اور ہماری طرف سے پاکستان کے وجود سے انتقام لے۔ یہ چیز کبھی نشوونما نہ پاتی، اگر دیانت داری سے یہاں ابتدا ہی میں (قراردادِ مقاصد کے بعد) اسلامی نظام، اسلامی اُصول، اسلامی تعلیم، اسلامی ادارات، اسلامی قدروں اور اسلامی ثقافت کو نافذ کر کے ہر ہر فرد کو صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ دیا جاتا۔

اب بھی ہم کہتے ہیں کہ اس مُلک کو اپنے ہی فرزندوں کے ہاتھوں تباہی سے بچانے کی کوئی اور راہ اس کے علاوہ نہیں ہے کہ یہاں جلد سے جلد اسلامی نصب العین اور اسلامی احکام و قوانین اور اسلامی ادارات و اقدار کو رائج کیا جائے۔ اور تمام صوبوں کو ضابطہ کی رُو سے اُن کا پابند کیا جائے۔ اگر کوئی شخص مزاحم ہوتا ہے تو اسے راستے سے ہٹا کر عدالتِ قانون کے حوالے کرنا چاہیے۔

۶- ہمارے یہاں انتشارِ فکری اس درجہ پھیل چکا ہے کہ اب کئی کروڑ کی یہ قوم مختلف نظریوں میں بٹی ہوئی ہے۔ سوشلزم اور سیکولرازم اور جدیدیت اور اجتہاد کے نام سے انحراف پسندی اور مغربی خواتین کے تصوراتِ آزادی و مساوات پر مبنی بیگمات کی تحریک، اور غیر اسلامی ثقافت کے فروغ کے لیے رقص و سرود کی تقاریب و مجالس اور شو بزنس کے اسٹارز کو مقامِ اعزاز دلوانے کے لیے خصوصی پروپیگنڈا مہم اور بھارت کے مذہبی، تہذیبی، اسطوری اور لسانی اطوار و اقدار کا پاکستان میں نفوذ، یہ سب کچھ اس لیے عام ہوا کہ ہمارے ملک کی حویلی ایک ایسی سرائے ہے جس پر کوئی پہرہ دار اور نگران اور انتظام کار نہیں ہے۔ ہمارے نظریے کو ملک کے در و بست

اور قوم کی تعمیرِ جدید کے کام سے حکمرانوں، بیوروکریٹوں، سیاست بازوں اور جدیدیوں نے مزاحمت کی ایک فصیل کھڑی کر کے دُور روک رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ مخالفِ اسلام اور مخالفِ پاکستان نظریات ہماری قومی حویلی میں دندنا رہے ہیں اور ہمارے اپنے ہی شہری اور ہمارے اپنے ہی مسلمان ان کے سرپرست ہیں۔

۷ — کسی قوم یا ملّت کی زندگی اِس شعور سے بلند ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوئی امتیازی چیز ایسی ہے جسے وہ دُنیا کو دے سکتی ہے اور جس کے ذریعے انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام کر سکتی ہے۔ اگر ہمارے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں ہے تو ہم اسے حاصل کریں، مگر دُنیا کو ہم خدا پرستانہ تصورِ حیات اور تصورِ انسانیت اور تصورِ تہذیب تو دے سکتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک نئے طرز کے اخلاق کا اور نئے طرز کی معاشرت اور سیاست کا قابلِ رشک نمونہ پیش کر کے اس کی طرف انہیں دعوت تو دے سکتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے، ترقی کے میدان میں دوسری قوموں سے آگے بڑھنے کا جذبہ محض کسی دوسرے کی طرف سے جنگی خوف کی منفی قوت سے پیدا نہیں ہوتا، اس کے لیے دراصل ایسے ایمانی شعور کی ضرورت ہوتی ہے جس کے رُو سے جہاں اخلاق و کردار میں بلندی ہونی چاہیے، وہاں جذبۂ جہاد اور تیاریِ جہاد میں بھی انتہائی سرگرمی ہونی چاہیے۔ اسی طرح قوم کی مالی حالت کو بہتر بنانے اور اس کی غریب اکثریت کو سہارا بہم پہنچانے کے سامان بہم کرنے کے لیے بھی ایک ایک فرد میں ویسا زوردار جذبہ ہونا چاہیے، جیسا خدا کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ دولت پیدا کرنا اور دولت کو بڑھانا ایک وہ ہے جو سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر سے ہوتا ہے، دوسرا وہ ہے جو غریبوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ دوسرا نقطۂ نظر اسلام کا ہے اور اس کے لیے اس نے اُصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔

۸ — ہمارے حکمرانوں کو بھی اور دانش وروں اور دولت مندوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک قرآن و حدیث کی تعلیمات اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے نمونہ ہائے کردار اور ان کے سیاسی اقدامات اور سلاطینِ عادل اور سپہ سالارانِ حق پرست کے تاریخی کارنامے محفوظ ہیں اور عام مسلمان اس ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ حصہ پاتے ہیں۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں ہے کہ مختلف

عذرات کی بنا پر آپ کتاب و سنت کے منشا کو مسخ کریں اور قوم کو یہ کہہ کر مطمئن کر سکیں کہ یہ ہم نے اجتہاد کیا ہے اور اس دور میں یہی اجتہاد خدا و رسولؐ کو پسند ہے۔

اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ سلف کے جن بزرگوں اور برصغیر کی جن عظیم اور صاحب کردار دینی شخصیتوں پر کروڑوں مردوں اور عورتوں کے ذہن اعتماد کرتے ہیں، ان کو آپ کبھی محض پارلیمانی اکثریت اور اپنے عہدے کے اختیارات اور پروپیگنڈے کے زور سے جبراً اپنی دینی قیادت پر مطمئن کر سکیں۔

اس سلسلے میں اگر کوئی غلط فہمی کام کر رہی ہو تو یہ جان لینا چاہیے کہ قوم میں ایک مستقل کشمکش برقرار رہے گی اور اس کی قوتیں جو یکسو ہو کر بہت بڑے نتائج پیدا کر سکتی ہیں، وہ کشمکش کی نذر سے ہمیشہ برباد ہوتی رہیں گے اور استحکام و پائیداری کسی حکومت کو نصیب نہ ہو گی۔

استحکام و پائیداری کی راہ صرف نفاذِ شریعت ہے۔

مندرجہ بالا وجوہ کی روشنی میں آپ ماہ ربیع الاول کی مبارک فضاؤں میں اچھی طرح غور فرمائیں کہ حکومت کو اور مخلص دانشوروں کو اور عوام کو اگر محبتِ رسولؐ کے راستے پر جانا ہو تو وہ کدھر سے کدھر جاتا ہے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

حکمتِ سید مودودیؒ

(اسلامی تحریک کو زوال سے بچانے کے لیے دو امور)

از جناب سید اسعد گیلانی صاحب

دنیا میں جب کوئی تحریک کسی اخلاقی یا اجتماعی یا سیاسی مقصد کو لے کر اٹھتی ہے تو اس کی طرف وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جن کے ذہن کو اس تحریک کے مقاصد اور اس کے اصول اپیل کرتے ہیں، جن کی طبیعتیں اس کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں، جن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہی تحریک صحیح اور معقول ہے، اور جو اپنے نفس کی پوری آمادگی کے ساتھ اس کو چلانے اور دنیا میں قائم کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے سوا باقی تمام لوگ جن کی طبیعت کی افتاد اس تحریک کے مقاصد اور اصولوں سے مختلف ہوتی ہے پہلے ہی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے دائرے میں آنے والے لائے نہیں جاتے بلکہ خود آتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز مجبور کر کے خواہ مخواہ اس میں داخل نہیں کر دیتی، نہ کوئی طاقت انہیں لا کر اس میں چھوڑ جاتی ہے، جیسے کوئی کسی اندھے کو جنگل میں لے جا کر چھوڑ دے اور اسے کچھ پتہ نہ ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس لیے لایا گیا ہوں۔ بلکہ وہ اسے جانچ کر، پرکھ کر، سمجھ کر، پورے شعور اور کامل قصد کے ساتھ آتے ہیں، اور جب آ جاتے ہیں تو اس کے مقصد کو اپنا مقصد بنا کر کام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی مقصد ان کے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔ اس کے اصولوں کو وہ اپنے اصول بنا کر چلتے ہیں۔ کیونکہ ان اصولوں کو صحیح و برحق سمجھ کر ہی وہ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اس تحریک کو چلانا زندگی کا مشن بن جاتا ہے کیونکہ جو چیز ان سے ان کا پچھلا مسلک و مشرب چھڑاتی ہے اور ان کو اس نئے مسلک کی طرف کھینچ کر

لاتی ہے۔ وہ دراصل اُن کے قلب و رُوح کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ یہی مسلکِ حق اور راست ہے۔ دراصل اس تحریک میں ان پر حق منکشف ہوتا ہے۔ اس کا انکشاف ہی ان کو اس تحریک کی طرف کھینچتا ہے۔ اور انکشافِ حق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کبھی اس مقام پر نہیں ٹھہرنے دیتا جہاں وہ انکشاف سے پہلے تھا، بلکہ وہ اسے کشاں کشاں اُس مقام کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے جدھر حق کی روشنی اُسے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی تحریک کی صداقت کے معترف ہو کر اُسے قبول کرتے ہیں ان کی زندگیوں کا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہ پہلے سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان سے ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جن کی توقع عام حالات میں انسان سے نہیں کی جاسکتی۔ وہ اپنے اُصول کی خاطر دوستیوں اور خونی و قلبی رشتوں تک کو قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار، اپنی پوزیشن، اپنے منافع اور اپنی ہر چیز کا نقصان گوارا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قید و بند کی تکالیف اور موت کے خطرات تک سہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ انقلاب ایسا ہمہ گیر ہوتا ہے کہ ان کی عادات بدل جاتی ہیں۔ ان کے خصائل میں تغیر آجاتا ہے، یہاں تک کہ ان کی شکل، صورت، لباس، خوراک اور عام طرزِ زندگی پر بھی اس کے اثرات ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ گردوپیش کے لوگوں میں وہ اپنی ہر ادا سے الگ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ وہ جا رہے ہیں فلاں تحریک کے حامی۔

ہر تحریک کی ابتدا یوں ہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے وہ جماعت بنتی ہے جو اسے چلانے کے لیے اُٹھتی ہے۔ اس کے مقاصد اور اس کے اُصول خود ہی آدمیوں کی اس بھیڑ میں سے جو دُنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوتی ہے، اپنے مطلب کے آدمی چھانٹتے ہیں اور صرف انھی لوگوں کو اس تحریک کے دائرے میں لاتے ہیں جنھیں اس سے مناسبت ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا دور آتا ہے۔ جو لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں، ان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بھی اسی مسلک پر اُٹھے، جس کو خود انھوں نے حق پاکر قبول کیا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ اپنی نئی نسلوں پر تعلیم، تربیت، گھر کی زندگی اور باہر کے ماحول سے اس قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے خیالات، اخلاق، عادات اور خصائل سب کے سب اس مسلک کی رُوح اور اس کے اُصولوں کے مطابق ڈھل جائیں۔ اس میں انھیں ایک حد تک

کامیابی ہوتی ہے، مگر بس ایک حد تک ہی ہوتی ہے۔ پوری کامیابی ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم و تربیت اور سوسائٹی کے ماحول اور خاندانی روایات کو طبائع کے ڈھالنے میں بہت کچھ دخل حاصل ہے مگر فطرت، دماغ کی ساخت، مزاج کی پیدائشی افتاد بھی ایک اہم چیز ہے، اور حقیقت میں دیکھا جائے تو بنیادی چیز یہی ہے۔ فطری طور پر دُنیا میں ہر قسم کے آدمی، ہر مزاج، ہر رجحان، ہر ساخت کے آدمی ہمیشہ سے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جس طرح اِس تحریک کے ظہور کے وقت ہر طرح کے آدمی دُنیا میں موجود تھے اور ان سب نے اس کو قبول نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ صرف وہی اس کی طرف کھنچے تھے جو اس سے ذہنی مناسبت رکھتے تھے، اِسی طرح بعد میں بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ سب لوگ جو اس تحریک کے حامیوں کی نسل سے پیدا ہوں گے انہیں لامحالہ اس تحریک سے مناسبت ہی ہوگی۔ ان میں ابوجہل اور ابولہب بھی ہوں گے۔ عمرؓ اور خالدؓ بھی ہوں گے۔ جس طرح آذر کے گھر میں ابراہیم حنیف پیدا ہو سکتا ہے، اسی طرح نوحؑ کے گھر میں "عمل غیر صالح" بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ قانونِ فطرت کے مطابق یہ امر لازمی ہے کہ اس سوسائٹی سے باہر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اپنے مزاج کی افتاد اور اپنی طبیعت کے رجحان کے لحاظ سے اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور خود اس کے اندر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہ رکھتے ہوں۔ پس یہ ضروری نہیں کہ تعلیم و تربیت کا وہ نظام جو تحریک کے ابتدائی حامی آئندہ نسلوں کے لیے قائم کرتے ہیں وہ ان کی پوری پود کو ان کے مسلک کا حقیقی متبع بنا دے۔

اِس خطرے کے سدباب اور تحریک کو اس کے بنیادی اُصولوں پر برقرار رکھنے کے لیے دو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں، ان کو جماعت سے خارج کر دیا جائے، اور اس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے۔

دوسرے یہ کہ تبلیغ کے ذریعے سے جماعت میں ان نئے لوگوں کی بھرتی کا سلسلہ جاری رہے جو رجحان و ذہنیت کے اعتبار سے اس تحریک کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور جن کو اس

سے اُصول و مقاصد اسی طرح اپیل کریں جس طرح ابتدائی پیروؤں کو انہوں نے اپیل کیا تھا۔

یہ اور صرف یہی دو صورتیں ایسی ہیں جو کسی تحریک کو زوال سے اور کسی جماعت یا پارٹی کو انحطاط سے بچا سکتی ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ ان دونوں تدبیروں کی اہمیت سے غافل ہوتے جاتے ہیں۔ جماعت کے باہر سے نئے لوگوں کو اندر لانے کی کوشش کم ہونے لگتی ہے۔ جماعت کی افزائش کے لیے تمام تر نسلی افزائش ہی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے، اور جو لوگ اس طرح جماعت کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ناکارہ لوگوں کو خارج کرنے میں بھی خونی رشتوں اور معاشرتی تعلقات اور دنیوی مصلحتوں کی خاطر تساہل برتا جاتا ہے۔ طرح طرح کے بہانوں سے جماعتی مسلک میں ایسی گنجائشیں نکالی جاتی ہیں کہ ہر قسم کے رطب و یابس اس میں سما سکیں۔ اور اس مسلک کو اتنا وسیع کر دیا جاتا ہے کہ سرے سے اس کے سرحدی نشانات اور امتیازی حدود باقی ہی نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ بھانت بھانت کے آدمی جماعت کے دائرے میں جمع ہو جاتے ہیں، جن کو کسی قسم کی مناسبت اس کے مسلک سے، اس کے اُصولوں اور اس کے مقاصد سے نہیں ہوتی۔

پھر جب جماعت میں اس کے اُصولوں سے حقیقی مناسبت رکھنے والے کم اور مناسبت نہ رکھنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں تو اجتماعی ماحول اور تعلیم و تربیت کا نظام بھی بگڑنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر نئی نسل پہلے کی نسل سے بدتر اُٹھتی ہے۔ جماعت کا قدم روز بروز تنزل و انحطاط کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس مقصد کا اور ان اصول و مقاصد کا تصور بالکل ہی ناپید ہو جاتا ہے، جن پر ابتدا میں وہ جماعت بنی تھی۔ اس مقام پر پہنچ کر حقیقت میں جماعت ختم ہو جاتی ہے۔ اور محض ایک نسلی اور معاشرتی قومیت اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ نام جو ابتدا میں ایک تحریک کے علم برداروں کے لیے بولا جاتا تھا، اس کو وہ لوگ استعمال کرنے لگتے ہیں جو اس تحریک کو مٹانے والے اور اس کے جھنڈے کو سرنگوں کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ نام جو ایک مقصد اور ایک اُصول کے ساتھ وابستہ تھا، وہ باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملنے لگتا ہے بلالحاظ اس کے صاحبزادے کی زندگی کے اُصول اور مقاصد اس نام سے کوئی مناسبت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ کر وہ

نام اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔ وہ خود بھول جاتے ہیں اور دُنیا بھی بھول جاتی ہے کہ یہ نام کسی مقصد کسی مسلک، کسی اُصول کے ساتھ وابستہ ہے، بے معنی و مفہوم نہیں ہے۔

اِسلام اس وقت اسی آخری مرحلے پر پہنچ چکا ہے۔ مسلمان کے نام سے جو قوم اس وقت موجود ہے وہ خود بھی اس حقیقت کو بھول گئی ہے اور اس کے طرزِ عمل نے دُنیا کو بھی یہ بات بھلا دی ہے کہ اسلام اصل میں ایک تحریک کا نام ہے جو دُنیا میں ایک مقصد اور کچھ اُصول لے کر اُٹھی تھی، اور مسلمان کا نام اس جماعت کے لیے وضع کیا گیا تھا جو اس تحریک کی پیروی اور اس کی علمبرداری کے لیے بنائی گئی تھی۔ تحریک گم ہو گئی۔ اُس کا مقصد فراموش کر دیا گیا۔ اس کے اُصولوں کو ایک ایک کر کے توڑا گیا۔ اور اس کے نام اپنی تمام معنویت کو کھو دینے کے بعد اب محض ایک نسلی و معاشرتی قومیت کے نام کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ اسے ان مواقع پر بھی بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے جہاں اسلام کا مقصد پامال ہوتا ہے، جہاں اس کے اُصول توڑے جاتے ہیں، جہاں اسلام کے بجائے غیر اسلام ہوتا ہے۔ میرے دل نے بارہا یہ سوال کیا ہے کہ اسلام جو کبھی آندھی اور طوفان کی طرح اُٹھا تھا جس کے سامنے دُنیا کی کوئی طاقت نہ ٹھیر سکتی تھی۔ آج اس کی کشورکشائی اور عالمگیری آخر کس چیز نے چھین لی؟ اس کا جواب ہر بار مجھے یہی ملا کہ اسلامی تحریک پر تنزل و انحطاط کے اسی فطری قانون کا عمل جاری ہوا ہے، جسے میں نے بیان کیا ہے۔ اب اصلاح کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کو از سرِ نو ایک تحریک کی حیثیت سے اُٹھایا جائے اور مسلم کے معنی کو پھر سے تازہ کیا جائے۔ مُردوں کی اس بستی میں جو تھوڑے بہت مسلمان دل ابھی حرکت کر رہے ہیں، اور جن کی گہرائیوں سے ابھی تک یہ شہادت بلند ہو رہی ہے کہ اسلام ہی حق اور صدق ہے اور انسانیت کی فلاح صرف طریقِ اسلامی ہی میں ہے، ان کو جان لینا چاہیے کہ اب کرنے کا کام صرف یہی ہے —— مگر اس کام کو کرنا کھیل نہیں ہے۔ یہ وہ کوہ کنی ہے جس کے تصور ہی سے فرہاد کا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔

قرآن اور تاثیرِ قرآن —— ایک معجزہ

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۲)

خود قریش جو بڑے ہیکڑی باز اور ضدی تھے، اس قرآن کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے اور قرآن سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ کبھی حضورؐ کو شاعر کہتے، کبھی کاہن اور کبھی کبھی جادوگر۔ یہ سارے حربے قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں لائے جاتے تھے، لیکن ان سب تدابیر میں بے بس ہو کر وہ کبھی مصالحت کی درخواست کرنے پر بھی اُتر آتے تھے۔

ایک دفعہ عتبہ بن امیہ جو ابوسفیان کا خسر تھا، سردارانِ قریش سے کہنے لگا: "اگر تم پسند کرو تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات چیت کروں اور انہیں سمجھاؤں۔" قریش دعوتِ اسلامی کی ترقی سے پہلے ہی سخت پریشان تھے۔ سب نے کہا: "ہاں! تم پر ہمیں پورا اطمینان ہے تم ضرور جا کر ان سے بات کرو۔" چنانچہ وہ حضورؐ کے پاس جا کر کہنے لگا:

"بھتیجے! تم ہمارے درمیان بڑے عزت والے تھے۔ نسب میں تم شریف ترین گھر کے فرد ہو۔ آخر یہ اپنی قوم پر تم کیا مصیبت لے آئے ہو؟ لوگوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ پوری قوم کو بے وقوف بنا دیا ہے۔ قوم کے دین اور اس کے معبودوں کی برائی کرتے ہو۔ ہمارے جو آباؤ اجداد مر گئے ہیں تم اُن کو بھی گمراہ قرار دیتے ہو۔ بتاؤ آخر ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ اگر تم بڑائی چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے

زیادہ مالدار ہو جاؤ گے ۔ اگر سرداری چاہتے ہو تو ہم مل کر تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں ۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ لیتے ہیں ۔ بیمار ہو گئے ہو اور سوتے جاگتے کُلٹے سیدھے خواب نظر آتے ہیں تو ہم مل کر تمہارا بہترین معالجوں سے علاج کرا دیتے ہیں"۔

عتبہ یہ باتیں کرتا رہا اور حضورؐ خاموش اس کی باتیں سُنتے رہے ۔ جب وہ خوب بول چکا تو آپؐ نے فرمایا:

"ابو ولید جو کچھ آپ نے کہنا تھا کہہ چکے ہیں یا اور کچھ کہنا ہے؟"

اُس نے کہا:

"بس جو کچھ مجھے کہنا تھا ۔ میں نے کہہ دیا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا اب تم میری سنو"۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

اور اس کے بعد مسلسل سورہ حٰم سجدہ کی تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سُنتا رہا ۔ اڑتیسویں آیت پر پہنچ کر آپؐ نے سجدہ کیا اور پھر سر اُٹھا کر عتبہ سے فرمایا:

"ابو ولید جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ آپ نے سُن لیا ، اب آپ جانیں اور آپ کا کام"۔

عتبہ خاموشی سے اُٹھا اور سردارانِ قریش کی طرف پلٹا ۔ لوگوں نے دُور سے ہی دیکھ کر کہہ دیا:

"خدا کی قسم ابو ولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے ۔ یہ وہ صورت نہیں جسے لے کر وہ گیا تھا"۔

اس کے واپس آنے پر سب نے پوچھا "بتاؤ کیا کر آئے ہو؟" اس نے کہا "خدا کی قسم آج میں نے ایسا کلام سُنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ سُنا تھا ۔ واللہ یہ شعر نہیں ہے نہ یہ سحر بھی نہیں ہے، یہ کہانت بھی نہیں ہے ۔ اے گروہِ قریش میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو ۔ میں نے جو اس کی باتیں سُنی ہیں وہ رنگ لا کر رہیں گی ۔ اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کا خون تمہاری گردن پر نہ ہوگا ، دوسروں پر ہوگا ۔ اور اگر یہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی اور اس کی عزت تمہاری عزت"۔ لوگوں نے کہا " واللہ ابو ولید تم پر بھی اس کا

جادو چل گیا"۔ اُس نے کہا: "یہ میری رائے ہے اب تم جانو اور تمہارا کام"۔ یہ تھی قرآن کی اثر پذیری۔

ایک اور واقعہ سُنیے:

طفیل بن عمرو دوسی مشہور شاعر تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں مکہ گیا تو لوگوں نے میرے خوب کان بھرے اور کہا کہ محمدؐ سے بچ کر رہنا، چنانچہ میں نے یہی طے کر لیا، لیکن جب حرم میں گیا تو وہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے کان میں بھی ان کے چند جملے پڑ گئے۔ میں نے اچھا کلام محسوس کیا اور دل میں کہا کہ میں بھی شاعر ہوں اور جوانمرد ہوں، عقل رکھتا ہوں، بچہ تو نہیں ہوں کہ غلط صحیح کی تمیز ہی نہ کر سکوں۔ اس شخص سے ملنا تو چاہیے، چنانچہ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ان کے مکان پہ پہنچ گیا۔ اور اپنی ساری کیفیت بیان کی اور عرض کیا کہ آپؐ ذرا تفصیل سے بتائیے کہ آپؐ کیا کہتے ہیں؟ حضورؐ نے اس بات کے جواب میں مجھے قرآن کا کچھ حصہ سُنایا اور میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت ایمان لے آیا اور واپس جا کر اپنے باپ اور بیوی کو بھی مسلمان کیا اور پھر اپنے قبیلے میں مسلسل تبلیغ اسلام کرتا رہا۔[۱]

حد یہ ہے کہ خود سردارانِ قریش بھی اپنی مجالس میں اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ وہ حضورؐ کے خلاف جھوٹ گھڑتے ہیں۔ قریش کی ایک مجلس میں نضر بن حارث نے تقریر کی اور کہا:

"تم لوگ جس طرح محمدؐ کا مقابلہ کر رہے ہو یہ بالکل بے اثر ہے، تم اس کو اوّل روز سے جانتے ہو۔ وہ تمہارے درمیان سب سے زیادہ خوش اطوار آدمی تھا۔ سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ ذہین۔ اب اس کے بال سفید ہونے کو آئے ہیں تو تم اُسے ساحر، کاہن اور شاعر اور مجنون کہتے ہو اور دوسروں کو بھی باور کرانا چاہتے ہو، بخدا وہ ساحر نہیں ہے ہم نے ساحروں کو دیکھا ہے وہ تو جھاڑ پھونک کرتے ہیں۔ وہ کاہن بھی نہیں ہے ہم ان کی تک بندیوں اور گول مول باتوں کو جانتے ہیں۔ وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم اصنافِ شعر سے خوب واقف ہیں۔ وہ مجنون بھی نہیں ہے ہم دیوانوں کی بے تکی باتوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اے سردارانِ قریش محمدؐ

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳-۲۴۔

کے بارے میں کوئی اور بات سوچو - یہ ان باتوں سے بڑی بات ہے جو تم سوچتے ہو، اس کو شکست دینا آسان نہیں ہے"۔[1]

پھر اس نے تجویز پیش کی کہ لوگوں کو رستم اور اسفندیار کی کہانیوں میں لگایا جائے تاکہ وہ عجم کے قصوں میں دلچسپی لینے لگیں، چنانچہ اس نے خود اسی پر عمل شروع کر دیا -

حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد اپنے قرآن سننے کا ایک تاثر کچھ ایسا ہی بیان کیا ہے - وہ کہتے ہیں:

"میں ایک روز رسول اللہ کو ستانے کے لیے گھر سے نکلا - آپؐ مسجد حرام میں داخل ہو چکے تھے - میں پہنچا تو آپؐ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھ رہے تھے، میں پیچھے کھڑا ہو گیا اور قرآن سننے لگ گیا - قرآن کی شان، کلام اور انداز بیان پر ہی حیران ہو رہا تھا کہ اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ شخص ضرور شاعر ہے کہ اکثر قریش کہتے ہیں - "فوراً ہی حضورؐ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے "یہ ایک رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے" میں نے دل میں کہا تو پھر کاہن ہے اسی وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے "اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو - یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے" یہ سن کر اسلام کا میرے دل میں گہرا اثر ہو گیا"۔ (مسند احمد)

کچھ نضر بن حارث سے ملتا جلتا واقعہ ولید بن مغیرہ کو بھی پیش آیا - حج کے موسم میں قریش حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈہ زیادہ زور شور سے کرتے تھے - چونکہ حضورؐ بھی حج کے دنوں میں اپنی دعوت تیز تر کر دیتے تھے - حج کے ایام آنے سے پہلے شہر کے مشہور سرمایہ دار سردار ولید بن مغیرہ نے قریش کے معززین کا اجلاس بلا کر کہا:

"دیکھیے اگر آپ لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو ہمارا سب کا اعتبار جاتا رہے گا، اس لیے کوئی متفق علیہ بات

---

[1] ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۳۱ - ۳۳۲ -

سوچ لیں۔ پھر سب وہی کہیں۔ بعض نے کہا ہم ان کو کاہن کہیں؟ ولید نے کہا نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے جس طرح کے فقرے وہ جوڑتے ہیں۔ قرآن کو ان سے دُور کی نسبت بھی نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہم انہیں دیوانہ کہیں؟ ولید نے کہا ہم نے دیوانے دیکھے ہیں، جیسا کلام وہ پیش کرتے ہیں کون تسلیم کرے گا کہ جنون کے دَور کوئی آدمی ایسی باتیں بھی کر سکتا ہے۔ بعض نے کہا تو ہم انہیں شاعر کہیں۔ ولید نے کہا نہیں وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کی ساری اقسام سے واقف ہیں۔ ان کے کلام کو کون شعر ماننے گا۔ پھر لوگوں نے کہا کیا ہم ان کو ساحر کہیں! ولید نے کہا وہ ساحر کیسے ہو سکتے ہیں ہم جادوگروں کو اور ان کے کرتبوں کو جانتے ہیں۔ یہ بات تو محمدؐ پر چسپاں نہیں ہوتی۔ اس نے کہا" ان باتوں میں سے جو بھی کہو گے وہ ناروا ہی ہوگی، اس کو کوئی نہ مانے گا۔ خدا کی قسم اس کے کلام میں بڑا اثر ہے۔ اس کی جڑیں بڑی گہری اور اس کی ڈالیں بڑی ثمردار ہیں"۔

اس پر ابوجہل ولید کے سر ہو گیا اور کہا جب تک تم خود محمدؐ کے بارے میں کچھ نہ بتاؤ گے، تمہاری قوم تم سے راضی نہ ہوگی۔ ولید نے کہا سوچ کر بتاؤں گا۔ پھر سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ پس قریب ترین بات یہی ہو سکتی ہے کہ تم اسے جادوگر کہو اور یہ کہ یہ ایسا کلام پیش کرتا ہے، جس کی وجہ سے باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے چھوٹ جاتا ہے۔ پس تم یہی بات پھیلاؤ، چنانچہ ولید کی بات اس پروپیگنڈہ مہم کے لیے تسلیم کر لی گئی۔

سردارانِ قریش مخالفت تو کرتے تھے لیکن قرآن سے اتنے مرعوب اور اس کی شیرینی سے اتنے متاثر تھے کہ کبھی کبھی خود بھی چھپ چھپا کر قرآن سنتے تھے۔ بس بات کی پچ کے لیے صرف اپنی اس بات کو دوسرے سے چھپاتے تھے۔

مؤرخ ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ سردارانِ قریش ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، الاخنس بن شریق اور ابن وہب الثقفی یہ چاروں ایک رات الگ الگ نکلے تاکہ چھپ کر

قرآن کی تلاوت سُنیں جو رسول اکرمؐ نماز کے دوران اپنے گھر میں کیا کرتے تھے - ان میں سے ہر شخص نے اپنے لیے ایک ایک جگہ لے لی اور بیٹھا سنتا رہا - ہر شخص دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھا - اِس طرح انہوں نے ساری رات گذار دی اور پھر اپنی اپنی راہ لی - راستے میں سب جمع ہو گئے اور سب ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے - ہر ایک نے دوسرے سے کہا " دیکھو دوبارہ ایسا نہ کرنا - اگر کم عقل لوگوں نے دیکھ لیا تو وہ کیا خیال کریں گے "- پھر وہ سب لوٹ گئے - جب دوسری رات ہوئی تو وہ چاروں پھر اپنی اپنی جگہ تلاوت سُننے کو واپس آئے - اور جب سُن کر واپس ہوئے تو پھر سب جمع ہو گئے - ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو پھر ویسے ہی کہا جیسے پہلے کہا تھا اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے ، لیکن جب تیسری رات ہوئی تو پھر وہ اپنی اپنی جگہ آموجود ہوئے اور واپسی پہ پھر اسی طرح باہم مل گئے تب انہوں نے کہا :

" ہماری یہ عادت نہیں چھوٹے گی جب تک ہم عہد نہ کرلیں کہ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے "

اور پھر باہمی عہد کر کے منتشر ہو گئے -

حضرت عمر فاروقؓ کا ایمان لانا بھی تاثیرِ قرآن کا ہی معجزہ ہے - ایک دن عمرؓ بن خطاب اپنی جوانمردی کے بھروسے پر حضور اکرمؐ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے - بدن پر سارے ہتھیار سجا رکھے تھے - راستے میں ہی کسی نے کہا کہ میاں پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو - وہ تو مسلمان ہو چکے ہیں - یہ سُن کر وہ فی الفور اپنی بہن کے گھر چلے گئے اور پھر ان دونوں کو خوب مارا پیٹا - بالآخر ان کی بہن نے جرأت سے کہا :

" عمر جو چاہو کر لو یہ ایمان اب دل سے نہیں نکل سکتا "

عمر اپنی چھوٹی بہن کی اس جرأت پر سخت حیران ہوئے اور اُن سے قرآن سُنانے کو کہا - ایک صحابیٔ رسولؐ جو وہاں موجود تھے - اُنہوں نے قرآن مجید میں سورۃ طٰہٰ سُنانی شروع کی - عمر قرآن بغور سُنتے رہے اور پھر اسی وقت حضورؐ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لے آئے -

جب حضور اکرمؐ طائف اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے گئے تو وہاں کے لوگوں نے بدترین مخالفت کا سلوک کیا اور حضورؐ کو اپنے تشدّد کا نشانہ بنایا جس سے حضورؐ زخمی ہوگئے - آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی - یہ جگہ ربیعہ کے بیٹوں کی تھی - انہوں نے دُور سے آپؐ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں رنج ہوا اور ترس کھا کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگوروں کی ایک پلیٹ ہدیتاً روانہ کی - حضورؐ نے انگور لیے اور بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کہہ کر کھانے شروع کردیے - غلام عداس نے حیرت سے یہ کلمہ سُنا اور پھر کہا "یہ تو ایسا کلام ہے جو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے "۔

حضورؐ نے اس سے اس کا مذہب اور وطن پوچھا تو اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں -

حضورؐ نے فرمایا "تم میرے بھائی مرد صالح یونسؑ بن متی کے شہر کے باشندے ہو - وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں "۔

عداس یہ سُن کر جھک گیا اور اُس نے حضورؐ کے ہاتھ سر اور قدم چوم لیے -

(باقی)

زیادتی قیمت بہ پردۂ بیع مؤجل

از مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل

شرعاً بیع مؤجل کی حقیقت یہ ہے کہ بوقتِ بیع بائع و مشتری باہمی رضامندی سے یہ طے کریں کہ تسلیمِ بیع اگرچہ فی الحال ہوگی، لیکن مشتری ادائے ثمن میعاد مقررہ پر کرے گا۔ اس کی تعریف میں یہ لازمی شرط نہیں کہ وہ ثمن اُس وقت کی رائج الوقت قیمت سے ضرور زائد ہو۔ اور مرابحہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کے سامنے تصریح کر کے واضح کر دیتا ہے کہ یہ چیز میں نے خود اتنے ثمن کے بدلے خریدی ہے یا مجھے اتنے میں پڑتی ہے اور میں اتنا متعین نفع لے کر آپ کو فروخت کر رہا ہوں۔ مشتری اس کے صدقِ مقال پر اعتماد کر کے اُس قدر نفع دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔[1] اس کی تعریف میں یہ لازمی شرط نہیں کہ چونکہ وہ اُدھار دے رہا ہے اس لیے وہ متعین منافع لگا رہا ہے۔[2] اب رہی یہ صورت کہ عام طور پر بازار میں کسی چیز کی رائج الوقت قیمت مثلاً ایک سو روپیہ ہے اور اگر مشتری کے پاس نقد رقم موجود ہو تو وہ سو روپے نقد دے کر ہر کسی سے وہ چیز خرید سکتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے۔ اگر کسی بنک سے وہ نقد رقم قرض مانگ لے تو وہ سو روپیہ پر دس فیصد سالانہ سود لگا رہا ہے۔ اس کے بجائے وہ ایک

---

[1] عموماً اس صورت میں ثمن اس وقت کی بازاری قیمت سے کم یا برابر ہوتا ہے، زائد نہیں ہوتا۔

[2] اور اس نفع لگانے سے وہ بازاری قیمت سے بڑھ رہا ہے۔

تاجر سے وہی چیز اُدھار خریدنا چاہتا ہے۔ تاجر کہتا ہے کہ نقد قیمت دیتے ہو تو یہ چیز سو روپے کی ہے خرید لو۔ اور اگر ثمن سال بھر کے بعد دو گے تو پھر میں ایک سو دس روپے پہ فروخت کرتا ہوں۔ "تو یہ" بیع مؤجل بثمنٍ زائدٍ عن القیمۃ الرائجۃ للاجل ہے [1]۔ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح میعاد پر فروخت کرنے کی وجہ سے بازاری رائج الوقت قیمت پہ کچھ اضافہ کر کے چیز فروخت کرنا شرعاً اس بائع کے لیے جائز ہے یا نہیں۔ آج کل صرف اسی صورت کو بیع مؤجل کا نام دیا گیا ہے اور اس کی ترویج مقصود ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ فقہاء کرام اور مفسرین نے ربوٰا کی جو تعریف کی ہے اس کی رُو سے یہ صورت عین ربوٰ تو نہیں اس لیے ربوا حقیقی کی طرح اس کو حرامِ قطعی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ربوا کے بجائے اس صورت کو عموماً اس ذہنیت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے جو سُود خواروں کی ذہنیت ہے اور یہ ایک حیلہ ہے، جس کو اختیار کر کے بیع کے نام سے اس مشتری کا استحصال کیا جا رہا ہے جو نقد رقم ہاتھ میں نہ ہونے کی وجہ سے یک گونہ مجبور ہے کہ وہ قیمت رائج الوقت سے زائد قیمت ادا کرے تو یقیناً یہ کہنا بجا ہے کہ یہ مزاجِ شریعت کے خلاف ہے اور اس کو اگر حرام نہ کہا جائے تو مکروہ تو ضرور ہے۔ اور اگر کاروبار میں اس کو مستقل طور پہ جائز قرار دے کر منڈیوں، بازاروں اور کارخانوں میں اس کو جاری کر دیا جائے تو ربوا کے جو مفاسد ہیں اور ربوا کی وجہ سے معاشرہ میں جس قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو استحصال ہوتا ہے اور جو معاشی توازن غیر فطری طور پہ بگڑ جاتا ہے وہ ساری باتیں اس صورت میں بھی وقوع پذیر ہوں گی۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ربوا حقیقی سے بچنے کے لیے "سداً للذریعہ" کے طور پہ شریعت نے بہت سی ایسی صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن سے سُود خوارانہ ذہنیت کی تربیت ہوتی ہے اور طبیعتوں میں نفع اندوزی اور مادہ پرستی کا جذبہ غلط طریقوں سے بڑھ جاتا ہے۔ احادیث میں ربوا الفضل کی حرمت اسی بنا پر ہے۔ اسی بنا پہ تیار شدہ زیور اور سونے کے ٹکڑوں میں تبادلے

---

[1] یعنی محض اس لیے بازاری قیمت سے زیادہ دے رہا ہے اور وہ لے رہا ہے کہ اس کے پاس فی الحال نقد رقم نہیں ہے تو یہ قیمت میں اضافہ محض میعاد کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خریداری مجبورانہ ہے۔

کے وقت مساوات ضروری قرار دی گئی ہے اور ایک طرف سے زیور کی صناعت کی بنا پر دوسری طرف سے سونے کی کمی کو گوارا نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح جیدھا وردیھا کا ارشاد گرامی، جید وردی جنس واحد کے تبادلے کی صورت میں اُن کی مساوات کو ضروری قرار دیتا ہے اور جودت کا اعتبار کیے بغیر ردی کے ساتھ برابری کی بنیاد پر تبادلہ لازمی ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر فقہا لکھتے ہیں کہ یہ زیادتی حکمی ربٰو ہے۔ اور سداً للذریعہ کے طور پر اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں بیع بعینہ[1] کو اور "شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن" کو ممنوع اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ طریقے وہ ہیں جو ربٰو کے بجائے بطور حیلہ کے اختیار کیے جاتے ہیں۔ محاقلہ[2] و مزابنہ[3] کو بھی اس سبب ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ احتمال ہے کہ ایک جنس میں دوسری کے مقابلے میں زیادتی ہو جائے۔ مساوات جو ضروری ہے اس کا احتمال ایک ہے اور کمی بیشی کے دو احتمال ہیں ــ اکتناز و احتکار[4] بھی شرعاً اسی لیے ممنوع اور موجب لعنت ہے کہ اس میں دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر محض اپنی ذاتی منفعت کے حصول کا جذبہ ہے۔ ان تمام نظائر کو پیش رکھنے کے بعد تجارتی معاملات اور بیع و شرا اور تبادلۂ اشیا کے بارے میں شریعتِ اسلامی کا جو مزاج معلوم ہوتا ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بازاری قیمت سے زائد ثمن پر اُدھار فروخت کرنا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔ خلافِ مروت ہے اور اسلامی اخلاق سے بعید ہے اس لیے مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ اور اگر ربٰو کی مضرتوں سے معاشرے کو بچانے

---

[1] بیع بعینہ سے مراد ہے کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر اُدھار بیچنا، اس کی ممانعت کے لیے ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد، کتاب البیوع باب النہی عن بیع بعینہ

[2] محاقلہ سے یہ مراد ہے کہ فصل کو پوری طرح تیار ہونے سے پہلے غلّے کے بدلے میں فروخت کر دیا جائے۔

[3] مزابنہ سے یہ مراد ہے کہ درختوں پر کچی کھجوریں پکی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں فروخت کر دی جائیں۔

[4] ذخیرہ اندوزی۔

کے لیے تحریم ربوٰ کا قانون نافذ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ سدّاً للذریعہ کے طور پر ان تمام مضرتوں سے بچانے کے لیے تجارتی کاروبار میں اس کو بھی مکروہ و ناپسندیدہ اور قابلِ ترک قرار دینا ہوگا ورنہ تمام سُود خوار اسی سود خوارانہ ذہنیت کے ساتھ سودی کاروبار کے بجائے اسی کو اختیار کر لیں گے - اور اس حیلۂ جواز کی آڑ میں وسیع پیمانے پر غریبوں اور ناداروں کا استحصال کریں گے - کیونکہ ہر ایسی زیادتی کا اثر آخر کار صارفین پر پڑتا ہے - اِس کو بلاشبہ جائز و قابلِ عمل قرار دینے کے بعد کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سُود) کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی - کیونکہ جو لوگ تجارتی سُود کو ربوٰ سے نکال کر اس کے جواز کے درپے ہیں - وہ تو یہ مغالطہ انگیزی کرتے ہیں کہ ایک کارخانے کا مالک اگر بنک سے کارخانہ چلانے اور مصنوعات تیار کرنے کے لیے ۱۴ فیصد سالانہ سُود پر رقم لیتا ہے تو وہ اس رقم سے سال میں تیس چالیس فی صد کماتا ہے، وہ سُودی رقم لے کر بھی فائدے میں رہتا ہے - مگر ہم اس کو بھی ربوٰ حقیقی قرار دے کر حرام مانتے ہیں - اور اس کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ درحقیقت یہ کارخانہ دار غریب صارفین پر ۱۴ فیصد کا بوجھ ڈالتا ہے اور بنک کو وہ ۱۴ فیصد غریبوں سے چھین کر دے رہا ہے - یہ غریب صارفین کا خون ۱۴ فیصدی مہنگا سودا بیچ کر چوستا اور بنک کے حوالے کرتا ہے تو اسی طرح ایک تاجر بازاری قیمت سے دس فیصد مہنگا سودا اُدھار پر خرید کر آگے فروخت کرتا ہے تو یہ دس فیصدی صارفین سے وصول کر کے اس بائع کو دے رہا ہے - تو اگر تجارتی کاروبار میں یہ بلا کھٹکے جائز طور پر رائج ہو جائے تو بڑے بڑے سرمایہ دار جو اُدھار دے سکتے ہیں - وہ قرضوں کی طرح سامانِ تجارت سُود کے تناسب سے زائد ثمن پر فروخت کرنا شروع کر دیں گے جس کا ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ جو اُدھار نہ دے سکتے ہوں اُن کا کاروبار ختم ہو جائے گا - اور دوسری طرف صارفین سے وہ زائد ثمن جمع کر کے یہ چھوٹے تاجر ایک بڑے تاجر کو پہنچایا کریں گے اور چند مخصوص لوگوں کی پوری اجارہ داری پوری تجارت پر قائم ہو جائے گی - اس لیے معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے اس امرِ مکروہ کو ترک کرنا کرانا ضروری ہے -

اِس سے انکار نہیں ہے کہ بعض فقہاء کرام نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ نفسِ جواز منافی کراہت نہیں - نیز ان کے قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی بائع نے

کسی مشتری پر اُدھار کوئی چیز بازاری قیمت سے زائد فروخت کر دی - مثلاً سو روپے کی چیز ایک سو دس روپے میں فروخت کر دی - میعاد جب پوری ہوئی تو مشتری نے کہا کہ اس وقت قیمت تو سو روپے تھی - اس لیے میں سو روپے ادا کرتا ہوں اور دس روپے جو زائد تو نے میری مجبوری کی وجہ سے بڑھائے تھے وہ میں نہیں دیتا - بائع نے قاضی کے ہاں دعویٰ کیا - تو چونکہ بوقت بیع ثمن ایک سو دس طے ہوا تھا تو قاضی یہی فیصلہ کرے گا کہ مشتری ایک سو دس ادا کرے - کتبِ فقہ میں معاملات کی صورتوں میں جہاں "یجوز" آتا ہے وہاں اس سے مراد عموماً یہ ہوتی ہے کہ قضاءً یہ نافذ ہے - اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک معاملہ دیانتہً تو جائز نہیں ہوتا لیکن قضاءً وہ نافذ ہوتا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں - اگر سو روپے نقد قرض دیے اور دس روپے سالانہ سود طے ہوا تھا - مگر جب قرض خواہ دس زائد دینے سے انکار کرے اور قرض دہندہ قاضی کے ہاں دعویٰ دائر کرے تو قاضی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ دس سود لینا چاہتے ہو اور سود حرام ہے لہٰذا اس کے دلوانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا - تو درحقیقت ربوٰا کی صورت میں اور اُدھار مہنگا فروخت کرنے کی صورت میں قضا تو یہ فرق ہوگا، اس لیے فقہائے کرام نے اس کی تعبیر یجوز سے کر دی -

نیز فقہائے کرام کا مطلب یہ کبھی بھی نہیں تھا کہ اس صورت کو عام طور پر کاروبار تجارت میں اختیار کیا جائے اور منڈیوں، بازاروں اور کارخانوں میں اسی عمل پر جاری رہے بلکہ ان کے یجوز کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کسی اور معقول وجہ سے ایک بائع کسی چیز کا ثمن بازاری قیمت سے زیادہ متعین کر کے اُدھار پر فروخت کرے تو ایسا انفرادی اور جُزئی واقعہ اگر پیش آ جائے بہ کراہت گوارا - کیونکہ یہ عین ربوٰا نہیں ہے - پیش نظر کوئی حیلہ سازی بھی نہیں - سود خوارانہ ذہنیت کے ساتھ قیمت میں اضافے کا جذبہ بھی محرک نہیں ہے .... فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی فقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ سود کے بدل کے طور پر عام کاروبار میں اس کو سرمایہ داروں کی خاص نفع اندوزی کے لیے اور صارفین پر اشیائے صرف مہنگا کرنے کے لیے جائز قرار دے دیں - ایسی صورت میں وہ تجارت نہیں رہتی جس میں تاجر کو نفع و نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے بلکہ سودی کاروبار کی طرح محض نفع ہی نفع پیش نظر ہوتا ہے اور نقصان کا احتمال ہی نہیں رہنے دیا جاتا -

بقول اقبالؒ:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

معاشرہ میں فطری اور طبعی معاشی توازن قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کے معاملاتِ بیع وشرا کو ترک کر دیا جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے سُود کے خلاف جو رپورٹ مرتب کرکے پیش کر دی تھی اس میں اُدھار پر مہنگا فروخت کرنے کو مکروہ قرار دے کر لکھا تھا کہ چونکہ ربوٰا جو قطعی حرام ہے اس سے بچنے کے لیے عبوری طور پر اس کو اگر اختیار کیا جائے تو مشارکہ و مضاربہ کے نظام کو پوری طرح کامیاب ہونے سے قبل اس کی گنجائش ہے، مگر دیکھا گیا ہے کہ اس عبوری گنجائش کی آڑ میں بلاسودی نظام کے نام سے وہی سُودی کاروبار جاری رکھا گیا اور سُود سے بچنے والے کتنے دیندار و پرہیزگار لوگ بھی نادانستہ سُودی کاروبار میں شامل ہوگئے اس لیے ایک ایسے معاشی نظام کو جو مادہ پرست مغرب کی تقلید میں ڈیڑھ دو سو برس سے ملک میں چلایا جا رہا ہے۔ اس کے چلانے والوں کا ذہن ربوٰا ہی سے مانوس ہے۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت ایسی ہوتی ہے کہ ان کی طبیعتوں میں ربوٰا سے کوئی نفرت نہیں ہے اور ان میں سے بہت بڑا طبقہ اب تک بنکوں کے تجارتی سُود کو ربوٰا میں شامل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر جواز کی یہ کھڑکی ہوا خوری کے ارادے سے کھولنے دی گئی تو یقیناً وہ اس کو بہت بڑا پھاٹک بنا دیں گے۔ اور جب بنکوں میں، تمام تجارتی اداروں اور سرمایہ داروں کے تمام اڈوں میں یہ صورت بیع وشرا شروع ہو اور ہر چیز بلا کھٹکے اُدھار پر بازاری قیمت سے زائد قیمت پر فروخت ہونے لگے تو اس کے نتیجے میں وہ تمام مفاسد اور معاشی خرابیاں اُسی طرح رونما ہوں گی جو سُود کی وجہ سے رونما ہو رہی ہیں تب ضرور یہ تاثر قائم ہوگا کہ اسلام کے معاشی نظام نے اور بلاسُود کاروبار نے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ ان خرابیوں کا ازالہ نہیں کیا جو سُودی نظام سے پیدا ہو رہی تھیں، بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہوا۔ کیونکہ اب بھی بہت سے لوگ سُود کو حرام سمجھ کر سُودی کاروبار سے بچتے ہیں۔ صرف سُودی کاروبار کرنے والے حلقے کی طرف سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ پھر جب ملک کے سارے مسلمان اس کو جائز کاروبارِ تجارت سمجھ کر سب کے سب اس کو عملاً اختیار کریں گے اور اس کو جائز

نفع اندوزی قرار دے کر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کریں گے تو حلقہ وسیع ہو گا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں ڈال رہے ہیں کہ جس معاملہ میں قطعی سود نہ ہو۔ جس پر ربوٰ حقیقی کی تعریف صادق نہ آتی ہو، قرض پر اضافہ نہ ہو، بلکہ معاملہ کی صورت بیع کی ہو، اشیاء کا باہمی تبادلہ ہو تو اس میں اگر اس قسم کی زیادتی ہو جائے اور زیادہ ستانی پائی جاتی ہو تو وہ جائز اور حلال ہے اور اس لیے کہ یہ قرض کی صورت میں نہیں، بلکہ بیع کی صورت ہے[ل] اور اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ آیت قرآنی کی رُو سے بیع حلال ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حیلہ گری اور لفظی ہیر پھیر سے بیع کی بہت سی صورتیں شرعاً جائز قرار نہیں دی جا سکتیں اور ناجائز صورتوں کو جائز و حلال نہیں کہا جا سکتا۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ میں تو خرید و فروخت کی صرف وہ صورتیں حلال قرار دی گئی ہیں۔ جو بالکلیہ ربوٰ کے بالمقابل ہوں۔ اور اُن میں ربوٰ کا کوئی شائبہ نہ ہو، ان میں

ل ایک معروف سوال نما مؤلف فرماتے ہیں کہ بیع بجائے خود ایک حیلہ ہے جیسے خود خدا نے بندوں کی سہولت کے لیے جائز کیا ہے (جیسے کہ فرمایا (احل اللہ البیع وحرم الربوا) سو لین دین کی جس صورت کو بھی بیع کی شکل دے دی جائے۔ وہ گویا حیلہ شرعی سے گذر کر پاک صاف ہو گئی۔ حالانکہ بیع اور لین دین کے تمام قواعد و اطوار سے فوق الفوق وہ اعلیٰ تر قانونِ الٰہی ہے جس نے ربوٰ کی ہر شکل کو صریحاً حرام اور ریبہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

دوسری ضروری بات یہ سامنے رکھنی چاہیے کہ حیلہ کسی وقتی اور جزئی امر کے لیے ہوتا ہے تاکہ کسی خاص مشکل صورت کا حل نکلے، نہ کہ ایک جامع مستقل اصول و قانون کی حیثیت سے مسلسل نافذ رہتا ہے۔ ورنہ اس مثال کو سامنے رکھیں تو پھر نکاح بھی ایک حیلہ ہے اور اسلام کا نظام سمع و طاعت بھی ایک حیلہ ہے اور عدالت و قضا بھی ایک حیلہ ہے اور جہاد بھی ایک حیلہ ہے۔ پھر سارا دین اور ساری شریعت ایک لفظ حیلہ میں سمٹ آئے گی۔

آپ سودی نوعیت کے اضافے کو جائز کرنے کے لیے بیع کی ایک غیر عقلی اور مضحکہ خیز صورت کو ایجاد کرتے ہیں اور پھر اسے بینکنگ کے مستقل کاروبار کی روح بنانا چاہتے ہیں ـــــ اور وہ بھی اسلامی حیلہ کے نام سے۔ استغفراللہ! (مدیر)

ربوٰا والی ذہنیت نہ ہو، معاشرہ میں ربوٰا والے بُرے نتائج پیدا کرنے والی نہ ہوں - ربوٰا الفضل یا ربوٰا حکمی کی جتنی بھی صورتیں ہیں اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے ممنوع ہیں - وہ صرف قرض کی نہیں، بلکہ بیع کی صورتیں ہیں اور بیع والی ان صورتوں کو "الفضل ربوٰا" فرمایا گیا ہے - عمدہ کھجوروں اور ردّی کھجوروں کا باہمی تبادلہ بیع ہی تو ہے، مگر ایک طرف کیل یا وزن میں زیادتی ہو تو ارشادِ نبوی کے مطابق وہ ربوٰا ہے - مزابنہ اور محاقلہ تو بیع ہی کی صورتیں ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے - اس لیے حقیقت یہ ہے کہ بیع ہی کے نام سے جتنے بھی ایسے حیلے اختیار کیے جائیں جن میں وہی ربوٰا والی ذہنیت کارفرما ہو - وہی زیادہ ستانی کا جذبہ پایا جاتا ہو خواہ اس کو سُود نہ کہا جا سکے - لیکن وہ سب بیع و شراء کی وہ صورتیں ہوں گی جو شرعاً ممنوع ہیں - ہر وہ لین دین جو سود کی تعریف میں آکر سُودی کاروبار نہ ہو - تو یہ کہنا تو صحیح ہو گا کہ یہ سُود نہیں - لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہنا کہ محض جائز اور حلال ہے اور یہ اسلامی ہے صحیح بات نہیں ہے - ہر عقل مند اور ذرا بھی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے کو یہ بات عجیب معلوم ہو گی - اور غیر مُسلم تو اس کو شرعی جائز مسئلہ قرار دینے پر اسلام کا مذاق اُڑائیں گے - جب کہ یہ کہا جائے کہ سو روپے کا کرنسی نوٹ اگر آپ کسی کو قرض کے طور پر دے کر اس کے عوض میں سال کے بعد اس سے ایک نوٹ سو کا اور دو نوٹ دس دس کے لے لیں - اس پر تو ہر کوئی کہے گا کہ یہ سُود ہے، ایسا ہرگز جائز نہیں - تب آپ فرماتے ہیں کہ بہر حال میں چاہتا تو یہ ہوں کہ سال کے بعد مجھے ایک سو کے ضرور ایک سو بیس مل جائیں - تو آپ کو بتایا جائے گا کہ پھر آپ یہ کریں کہ سو روپے کا نوٹ اس شخص کے ہاتھ سال کے وعدے پر فروخت کریں اور اس کا ثمن ایک سو بیس روپے مقرر کریں - تو یہ سو کا نوٹ اُدھار کے طور پر ایک سو روپیہ کے نوٹ اور دو دس دس کے نوٹوں کے بدلے فروخت کرنا جائز ہے، حلال ہے، شیرِ مادر ہے، کیونکہ یہ قرض دے کر سود نہیں لیا، بلکہ نوٹ فروخت کر کے زیادہ روپیہ لیا ہے - اُصولی بات یہ ہے کہ کسی حرام کے ارتکاب کے لیے بظاہر لفظی ہیر پھیر سے کوئی جائز نظر آنے والا حیلہ اختیار کیا جائے اور حرام کے ارتکاب کی وہی ذہنیت محرک اور کارفرما ہو تو یہ حیلہ سازی اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہے اور بیع مؤجل کے عنوان سے جس قسم کے کاروبار کو وسیع پیمانے پر جاری رکھنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے اس کی یہی نوعیت ہے - واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل -

اسلام میں اطاعتِ حُکّام کی حُدود و شروط

جناب ڈاکٹر محمد امین صاحب

یہ سوال کہ اسلام کے سیاسی نظام میں حکام کی اطاعت کی حدود و شروط کیا ہیں، محض ایک نظری اور علمی سوال نہیں ہے، بلکہ عصرِ حاضر کے مسلمان معاشرے میں ایک عملی سوال بھی ہے۔ لہٰذا ہم پہلے موضوع کو شرعی تناظر میں لیں گے اور اس سلسلے میں قرآن و سنت نیز فقہا کی تصریحات کو سامنے رکھیں گے اور اس کے بعد دیکھیں گے کہ ان احکام کی تطبیق آج کے مسلمان معاشرے میں کیسے ہو سکتی ہے؟

اطاعتِ حُکام بروئے قرآن

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ
مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [۱]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر واقعی تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان

---

[۱] النساء - ۵۹

دیکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

یاد رہے کہ اگرچہ مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اولی الامر کی تعریف میں حکام کے علاوہ علما اور قبیلوں کے سردار و شیوخ وغیرہ وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے سب سے بڑے مصداق نظم و نسق کے وہ ذمہ داران ہی ہیں جو حکومت چلاتے ہیں اور معاشرے میں نظم و نسق بحال کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اصحاب امر کی اطاعت کریں اور ان سے نزاع کر کے اجتماعی زندگی میں خلل نہ ڈالیں۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ آیت میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو "اصولیوں" کے نزدیک وجوب پر دلالت کرتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو ندب و اباحت کی صراحت کرے اور چونکہ یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے، لہٰذا آیت سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے، ان شروط کے ساتھ جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اور جن کی صراحت احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

اطاعتِ حکام بروئے سنت

آپؐ نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن یعصنی فقد عصی اللہ. ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی[2]

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر (یعنی مسلمانوں کے حاکم وقت) کی اطاعت کی گویا میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "اسمعوا واطیعوا

---

[1] السیاسۃ الشرعیۃ، ابن تیمیہ ص ۱۸۲ طبع دار الشعب، تفسیر المنار، رشید رضا جلد ۵ ص ۹۸ طبع مصر۔
[2] صحیح مسلم بشرح نووی جلد ۲، ص ۲۲۳۔

وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ [1] یعنی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا گیا ہو جس کا سر کشمش جیسا ہو۔ ایک اور جگہ فرمایا: "علیک السمع والطاعۃ فی عسرک ویسرک ومنشطک ومکرھک و علیک" [2] یعنی تم پر سمع و طاعت (حکمرانوں کی) واجب ہے، خوشی اور غمی میں اور چاہے رغبت سے ہو یا بے دلی سے اور چاہے حکمران تمہارے حقوق ادا کریں یا نہ کریں۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے امراء و حکام کی اطاعت واجب ہے، ان کی اطاعت گویا رسول کی اطاعت ہے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی گویا احکامِ رسول کی خلاف ورزی ہے چاہے پسندیدہ حکام ہوں یا ناپسندیدہ۔ نیز ان احکامات کی حکمت عیاں ہے کہ کوئی معاشرہ اس امر کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا اور اگر قائم ہو جائے تو باقی نہیں رہ سکتا جب تک اس میں حکام کی اطاعت نہ کی جائے کیونکہ حکام سے بغاوت اور عدم تعاون کا مطلب ہی یہ ہے کہ معاشرے میں انتشار اور انارکی پھیل جائے۔ ایسے معاشرے میں نہ تو حدود اللہ قائم کی جا سکتی ہیں اور نہ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

اطاعتِ حکام کی حدود و قیود

لیکن ان شرعی احکام سے یہ نتیجہ نکالنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ شارع نے اُمت کو مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے کہ ہر حالت میں اطاعت کی جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو اس کا نتیجہ حکام کی آمریت اور استبداد کی صورت میں نکلتا جو یقیناً شارع کو مقصود نہیں تھا لہٰذا اس اطاعت کی حدود مقرر کر دی گئیں تاکہ جہاں حکام کو اطاعت کروانے کا حق ہو وہاں اُن کی ذمہ داریاں بھی ہوں اور رعیت کو بھی پتہ ہو کہ حکام کی اطاعت کس حد تک اور کہاں تک واجب ہے۔ قرآن و سنّت سے یہی

---

[1] فتح الباری لشرح البخاری جلد ۱۸ ص ۲۴۰ - رواہ ایضاً ابن ماجہ والامام احمد

[2] صحیح مسلم بشرح نووی جلد ۱۲ ص ۲۲۴

قیود و شروط کا اس سلسلے میں پتہ چلتا ہے وہ یہ ہیں :-

۱- حکام مسلمانوں میں سے ہوں | یہ بات آیت اُولی الامر ہی سے ثابت ہوتی ہے۔ جہاں یہ کہا گیا ہے "اولی الامر منکم" یعنی اطاعت واجب ہے ان حکام کی جو مسلمانوں میں سے ہوں - ظاہر ہے کہ حکام مسلمان ہوں گے تو اسلام کے مطابق حکم دیں گے اور حدود قائم کریں گے، اگر وہ خود ہی غیر مسلم ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اسلام کے بجائے غیر اسلام کی دعوت دیں گے اور اُمّتِ مُسلمہ کو غیر اسلام پر ہی چلائیں گے - اس صورت میں اطاعت کا کوئی تصور کیا ہی نہیں جا سکتا

۲- حکام شریعت قائم کرنے والے ہوں | یہ بات بھی آیت اولی الامر ہی سے ثابت ہوتی ہے جس میں اطاعت کا حکم دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں تنازع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو - گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کی اطاعت کرو ، اگر وہ خدا اور رسولؐ کو آخری سند اور مرجع مان لیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ظاہر ہے کہ اطاعت کے حقدار نہ ہوں گے [۱]

ابو عبید القاسم نے کتاب الاموال میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ "حق علی الامام ان یحکم بما انزل اللہ ویؤدی الامانۃ فاذا فعل ذالک فحق علی الرعیۃ ان یسمعوا و اطیعوا [۲]" - یعنی امام کا فرض ہے کہ وہ شریعت کے مطابق حکم چلائے اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرے ، پھر اگر وہ ایسا کرے تو رعیت کا بھی فرض ہے کہ وہ اس کی بات سُنے اور اطاعت کرے -

امام غزالیؒ کا بھی موقف بھی یہی ہے کہ " طاعۃ الامام لا تجب علی الخلق الا اذا دعاھم الی موافقۃ الشرع [۳]" - یعنی امام کی اطاعت لوگوں پر واجب نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شرع کے مطابق حکم نہ دے -

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۶ ص ۲۲۸

[۲] کتاب الاموال ، حدیث رقم ۱۱

[۳] الرد علی الباطنیۃ ص ۸۱

۳ --- حکام عادل ہوں | تیسری شرط اطاعت کی یہ ہے کہ حکام عادل ہوں - اگر وہ عدل سے کام لیں تو ان کی اطاعت واجب ہے لیکن اگر وہ ظلم کریں، عدل و انصاف کے بجائے قہر اور زیادتی کی پالیسی اختیار کریں تو ان کی اطاعت واجب نہ ہوگی کیونکہ ظلم و زیادتی اللہ کی معصیت کے مترادف ہے اور جو ظالم ہے وہ عاصی اور گنہگار ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " لَا طَاعَةَ لِمَنْ لَا يُطِعِ اللّٰهَ " [۱] یعنی جو اللہ کی اطاعت نہ کرے اُسے اطاعت کروانے کا حق نہیں -

عدل کی شرط بالواسطہ طور پر قرآن سے بھی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام بیضاوی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حکام کو عدل و انصاف کا حکم دیا اور پھر رعایا کو اطاعت کے لیے مکلف کیا [۲] - ان کا اشارہ سورہ النساء کی آیت اُولی الامر سے پہلے کی آیت کی طرف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ " [۳] یعنی اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو -

امام طبریؒ نے بھی آیت اولی الامر کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ امیر کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہی کے ضمن میں آتی ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو [۴]

(باقی)

---

[۱] مختصر شرح جامع الصغیر جلد ۳ ص ۳۶۴

[۲] تفسیر بیضاوی ص ۱۲۵

[۳] النساء - ۵۸

[۴] تفسیر طبری جلد ۵ ص ۸۹

بحث و نظر

پی ایچ ڈی کی آڑ میں دین فروشی

جناب غلام غوث صمدانی صاحب

ایک خط:-

ماہنامہ ترجمان القرآن کی اشاعت ماہ اگست ۱۹۸۶ء کے صفحہ ۳۴ پر ایک مضمون بعنوان "بیعت عقبہ ثانیہ اور حضرت عباسؓ" شائع ہوا ہے۔ صاحبِ مضمون کا نام ہے ڈاکٹر محمد سلیمان اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔ اِن صاحب کا معروف نام محمد سلیمان اظہر ہے۔ اس وقت اِس مضمون کے حسن و قبح، صحت و عدمِ صحت اور قدر و قیمت پر گفتگو کرنا مطلوب نہیں ہے بلکہ آپ کو صرف اس طرف توجہ دلانا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب وہی ذاتِ اقدس ہیں جن کا ایڈنبرا یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ:

"The Development of Military Intelligence in the Career of Muhammad

پہلے ہی چند ماہ سے ملک بھر میں شدید خفگی اور ناراضگی کی لہر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر طرف سے پُر زور مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ان صاحب کو ملازمت سے فارغ کر کے ان پر توہین رسالت کا مقدمہ چلا کر مناسب سزا دی جائے۔ مقالہ کے چند اقتباسات جناب کے ملاحظہ کے لیے منسلک ہیں جو خون کھولا دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس سارے شور و شغب کو جو ملک بھر کے اخبارات میں آ چکا ہے بغرض مبالغہ آرائی اور شوخی کو

بحال بنا دینے کی کارروائی بھی قرار دے دیا جائے تو پھر بھی یہ امر مسلّم ہے کہ یہ صاحب ساری ملت کے معتوب ہیں، جوان پر نفرین بھیج رہی ہے۔ ملک بھر میں علی الخصوص بہاولپور ڈویژن میں جلسے جلوس ہوئے۔ قرار دادیں پاس کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ لیکن تاہنوز ان کی طرف سے کوئی معقول وضاحت یا معذرت پریس میں نہیں آئی۔

یہ صاحب اپنی ملازمت کے تحفظ اور بدنامی سے بچنے کے لیے اور اپنے آپ کو سوسائٹی میں (REHABILITATE) کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور پناہ گاہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ یہ صاحب ترجمان القرآن والی تحقیق اپنی "تنظیم فکر و نظر" کے رسالہ میں بھی شائع کرانے کی کوشش کر چکے ہیں، لیکن وہاں سے ناکامی کے بعد "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" ترجمان القرآن میں کسی طرح چھپ گیا ہے۔ داغ دھبے صاف کرنے کے لیے یہ جگہ ادارہ فکر و نظر سے میرے خیال سے بہت بہتر مل گئی ہے۔ مشکوک اور رکیک دلائل کے ساتھ ایسے مضمون کا اور ان نیک نام صاحب کے اسم گرامی کا ہمارے رسالہ میں اشاعت پذیر ہونا ہمارے لیے روحانی اذیت کا باعث بن رہا ہے۔

اس خط کے ساتھ انجمن تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کی ایک رپورٹ شامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ اور قارئین ڈاکٹر محمد سلیمان کی ذہنی ساخت سے آگاہ ہو سکیں گے۔

مجلسِ تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کی رپورٹ

ہمارا ملک اپنے محدود زرِ مبادلہ کا ایک خاصا حصہ ہر سال بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں، خصوصاً ان اساتذہ پر خرچ کرتا ہے جو مختلف مضامین میں پی ایچ ڈی کرنے کے لیے باہر کی یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں۔ ان کو اپنے وسائل سے بڑھ کر سہولتیں دی جاتی ہیں اور پی ایچ ڈی کے بعد ان کے ترقی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ان میں یقیناً ایسے لوگ ہیں جو باہر

سے اعلیٰ تربیت حاصل کر کے آتے ہیں اور ملک کی تعلیمی -------- اور غیر تعلیمی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر سلیمان اظہر، جو اسلامیات میں پی ایچ ڈی کے لیے ایڈنبرا برطانیہ گیا۔ اسلام دشمنی میں یہودی اور عیسائی مستشرقین سے بھی آگے نکل گیا۔ اس نے پی ایچ ڈی کی آڑ میں خبث، بددیانتی، ملک و ملت سے غداری اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔

پی ایچ ڈی کے لیے اس کے منتخب کردہ موضوع کا عنوان ہے:

"The Development of Military Intelligence in the Career of the Prophet at Madinah"

"مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشہ وارانہ زندگی میں فوجی جاسوسی کا ارتقاء"

عنوان کے انتخاب سے ہی ظاہر ہے کہ مقصود ایسی تحقیق ہرگز نہیں، جس سے مسلمانوں کی، پاکستان کی یا علم سیرت کی کوئی خدمت ہو سکے بلکہ مقصود نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام اور آپ کے کارناموں کو غلط انداز میں پیش کرنا ہے، آپ کی عظمت کو گھٹا کر دکھانے کی کوشش کرنا اور سیرتِ پاک کو بگاڑنا ہے۔

اس شخص کے ارادہ کا واضح اظہار اس کے مقالے کے آغاز ہی میں ہو جاتا ہے۔ جہاں وہ اس موضوع پہ تحقیق کرنے کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

(حوالہ بذریعہ فوٹو از اصل مقالہ، ص ۲، ۳)

"The earliest followers of the Prophet like the first four caliphs who had taken part in most of the events which took place during his career as a prophet did not write the biography of their leader, because after his death they were engaged, as Tor Andrae writen, as responsible leaders in the military state and therefore had other things to do rather than relating the stories concerning the activities of Muhammad. (3) These followers were the most appropriate persons to write an honest biography of their leader because they, in spite of their firm belief in his prophethood, had witnessed his

drawbacks as a human being and his limits concerning his relationship to God."

ترجمہ: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے پیروکاروں مثلاً خلفائے اربعہ نے جنھوں نے بہ حیثیت پیغمبر آپ کی پیشوایانہ زندگی کے دوران ہونے والے اکثر واقعات میں حصہ لیا تھا، اپنے لیڈر کے حالاتِ زندگی نہیں لکھے، کیونکہ اُن کی وفات کے بعد، جس طرح ٹور آنڈرے نے لکھا ہے، وہ فوجی ریاست کے ذمہ دار لیڈر ان کی حیثیت سے بہت معروف تھے۔ اس لیے ان کے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کارگزاریوں کے متعلق کہانیاں سنانے کے بجائے دوسرے بہت سے کام تھے۔ یہ پیروکار اپنے لیڈر کی دیانت دارانہ سیرت لکھنے کے سب سے زیادہ اہل تھے۔ کیونکہ اُن کی رسالت میں پختہ یقین رکھنے کے باوجود انھوں نے بہ حیثیت ان کی خامیوں اور خدا کے ساتھ ان کے رشتہ کی محدودیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ (نعوذ باللہ نقلِ کفر، کفر نہ باشد)

یہ مقالہ لکھنے میں اُس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ "جاسوس نے بہت سے ناموافق عوامل کے بالمقابل آپ کی کامیابی میں سب سے بڑا رول ادا کیا" (نعوذ باللہ) اس مقالے کا ایک ایک صفحہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناپاک جسارتوں، گستاخیوں، بددیانتیوں، تحریفات، ہرزہ سرائیوں اور سب وشتم سے بھرا ہوا ہے۔ ان کا نقل کرنا بلکہ محض پڑھنا ہی ایک مسلمان کے لیے انتہائی اذیت ناک ہے۔

مقصود یہ ہے کہ نوجوان طلبہ کو اس کے ناپاک خیالات کی زد سے محفوظ رکھا جائے اور اسے اس حیثیت سے ہٹایا جائے جہاں سے وہ ملک و قوم کے خزانے سے تنخواہ حاصل کر کے نوجوانوں کے دل میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ناپاک خیالات کا بیج بونے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اس سلسلے میں بادلِ نخواستہ سینے پر پتھر رکھ کر محض چند نمونے نقل کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے تاکہ حالات کی سنگینی کا احساس دلا کر اس کے علاج کے لیے کوشش کی جائے۔ ان عبارتوں کو نقل کرتے ہوئے "نقل کفر، کفر نہ باشد" پیشِ نظر ہے۔

یہ شخص جنگِ بدر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: فوٹو اصل مقالہ صفحہ ۷۶

The *Ansar* (people of Madina) were generally farmers and the *Muhajirun* had come from a city where people were engaged in trading activities to earn their livelihood and had no experience of farming Most of the *Muhajirun* were poor and had no money to start a business In a situation where the newcomers had neither the skill necessary for farming nor the money necessary to set up a business their leader was confronted with the problem of providing them with food and lodging through some other source. Soon a source was discovered and it was to plunder the Meccan caravans.

ترجمہ: انصار عموماً کسان تھے اور مہاجرین ایک ایسے شہر سے آتے تھے جہاں کے لوگ روزی کمانے کے لیے تجارتی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے اور زراعت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں جب کہ نئے آنے والوں کے پاس نہ زراعت کے لیے ضروری مہارت تھی نہ کاروبار سجانے کے لیے ضروری سرمایہ۔ ان کے لیڈر (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ان لوگوں کو کسی اور ذریعے سے خوراک اور رہائش مہیا کی جائے۔ جلد ہی ایک ذریعہ تلاش کر لیا گیا وہ تھا مکی قافلوں پر ڈاکے ڈالنا۔ (نعوذ باللہ)

ادھر حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً ان مبتنیوں کے بارے میں جنہوں نے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شرکت کی اور بالاصرار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی، مندرجہ ذیل بہتان تراشی کر کے چاند پہ تھوکنے کی کوشش کی ہے۔ فوٹو اصل مقالہ صفحہ نمبر ۱۰۱:

There were, moreover, devouted followers of the prophet among the local community especially those seventy or so Medinans at whose personal invitation he had migrated to Median. (1) They had to protect their invitee against any possible

danger from his enemies for their honour's sake It made them ready instruments of a comprehensive espionage system from which no Medinan Arab family was secure

ترجمہ: "کچھ مدینے کی مقامی آبادی میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے جان نثار پیرو کار بھی تھے۔ خصوصاً وہ سترہ کے لگ بھگ مدینہ کے باشندے جن کی ذاتی دعوت پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ انہیں اپنی عزت کی خاطر (ایمان کے تقاضے سے نہیں) دشمنوں کی طرف سے ممکنہ خطروں سے آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کرنی تھی۔ اسی بات نے انہیں ایک ایسے ہمہ گیر جاسوسی نظام کا آلۂ کار بننے پر آمادہ کر دیا جس سے مدینہ میں بسنے والا کوئی عرب خاندان بھی محفوظ نہ تھا۔" (نعوذ باللہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار اور خصوصی تربیت یافتہ ساتھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا قریبی نمونہ ہونے کا شرف حاصل تھا اور اسی وجہ سے حضورؐ نے انہیں مسلمانانِ مدینہ کی خواہش پر ان کی تربیت اور مدینہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ کی سرتوڑ کوششوں سے ہجرت سے قبل ہی مدینہ کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ انہوں نے اہلِ مدینہ کی اسلام سے محبت اور رغبت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوشخبری بھیجوائی۔ لیکن مقالہ نگار نے اس بارے میں ان کے متعلق مندرجہ ذیل ہرزہ سرائی کی ہے۔ نوٹو از صفحہ نمبر ۲۲۱

The spies or secret agents sent out to work in the enemy or neutral tribes in the guise of preachers of the new faith such as Mus'ab and the people of al-Raji' may be called missionaries.

ترجمہ: "ایسے جاسوس یا خفیہ ایجنٹ جنہیں دشمن یا غیر جانب دار قبائل میں نئے دین کے مبلغین کے روپ میں بھیجا گیا تھا جیسے مصعب بن عمیر اور الراجعؓ جیسے لوگ جو مشنری کہلائے جا سکتے ہیں۔" (نعوذ باللہ)

لہ غالباً یہاں مقصود واقعۂ رجیع کے مبلغین ہیں۔

اس بدنیت اور بدباطن شخص نے خاکم بدہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میکیاولی کے پرنس کی طرح ایک ایسے شکی مزاج حکمران کے روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے اپنے وفاداروں کی وفاداری کے باوجود ان پر ایک باقاعدہ جاسوسی نظام مسلط کر رکھا تھا، کیوں کہ وہ انسانی فطرت کو ناقابلِ اعتماد سمجھتے تھے۔ حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ ۲۲۰

He also kept the *Muhajirun* and the *Ansar*, who were his followers, under close watch through his information service in spite of their faithfulness towards him because after all they were human beings.

ترجمہ: "انہوں نے مہاجرین اور انصار کو جو آپ کے پیروکار تھے، ان کی وفاداری کے باوجود اپنے جاسوسی نظام کے ذریعے سخت نگرانی میں رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ تھے تو آخر انسان ہی" (نعوذ باللہ)

یہ شخص ذات اقدس کے بارے میں بہتان تراشی کے معاملے میں اس قدر بے حیا ہے کہ اتفاق سے کسی مسلمان کی ایسی جگہ موجودگی کو جہاں کسی مخالف نے شراب کی بدمستی میں گفتگو کر کے اپنا راز فاش کر دیا، یہ معنی پہنانا ہے کہ جاسوسی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذالک، خود اپنے صحابی کو مجلسِ شراب میں شرکت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ ۱۳۸

The news of the despatch of this caravan reached the Prophet through Nu'aym b. Mas'ud of the Banu Ashja'. He was at Mecca at the time of the departure of the caravan. Then he came to Medina to visit his Jewish friends. He disclosed this news whilst drunk at a party held in the house of a Jew named Kinana b. Abi l-Huqayq. Another participant of the party was a Muslim, Sulayt b. Aslam by name, who took the news to the Prophet.

ترجمہ: اس قافلے کی روانگی کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو اشجع کے نعیم بن مسعود کے ذریعے پہنچی۔ وہ قافلے کی روانگی کے وقت مکہ میں موجود تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے

ایک یہودی دوست کے پاس مدینہ آیا اور ایک یہودی کنانہ بن ابی حقیق کی مجلس میں شراب کے نشے میں راز فاش کر دیا۔ اس مجلس میں ایک اور شریک سلیط بن اسلم نامی مسلمان تھا جو یہ خبر حضورؐ تک لایا۔

اس واقعہ سے مقالہ نگار نے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے۔ حوالہ مذکورہ فوٹو صفحہ ۱۳۸

Sulayt, who used to attend such parties (-) happened to be present in Kinana's house. The latter did not suspect him of being a spy of Muhammad but he might have been attending such parties on Muhammad's advice to keep him informed of what was going on in Jewish quarters. In this way, Muhammad succeeded in obtaining information about the caravan.

ترجمہ: "سلیط جو ایسی مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے کنانہ کے گھر میں موجود تھے، کنانہ کو اس بات کا شک نہ تھا کہ وہ (سلیط) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جاسوس ہے لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت پر، آپ کو یہودی علاقے کی سرگرمیوں پر مطلع کرنے کے لیے ایسی پارٹیوں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ اس طریقے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قافلے کے بارے میں اطلاع حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔"

پہلے خود ایک بات گھڑ کر اسے قرینِ قیاس قرار دیا اور پھر اسے حضورؐ کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر کے یہ الزام لگایا کہ اس طرح انہوں نے اطلاع حاصل کی، حالانکہ خود یہ بات غلط اور بے دلیل ہے کہ آپ نے اس صحابی کو نعوذ باللہ جاسوسی کی غرض سے مجلسِ شراب میں شرکت کے لیے بھیجا تھا۔

اس سے بڑھ کر ایک اور بہتان دیکھیے، حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ ۲۲۳

On at least three occasions, after the defeat at Uhud, during the siege of Medina and during the

compaign of Khaybar, the Prophet or his companions spread false news among the enemy to demoralize them and consequently achieved their goals.

ترجمہ: "کم از کم تین مواقع پر: اُحد میں شکست کھانے کے بعد (نعوذ باللہ) مدینہ کے محاصرہ کے موقع پر اور خیبر کے خلاف کارروائی کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا اُن کے صحابہ نے دشمنوں میں جھوٹی خبریں پھیلائیں تاکہ ان کی ہمتیں پست کر دیں اور اس طرح انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کیے۔ (نعوذ باللہ)

یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، اس کا اندازہ اس بد باطن شخص کی اپنی عبارتوں کو دیکھ کر جن میں اس نے یہ جھوٹ گھڑا ہے، خود بخود ہو جاتا ہے۔ اپنے مقالے میں اس نے اُحد اور خیبر کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے حضورؐ کی طرف جھوٹی خبریں پھیلانے کی نسبت کی ہے اور محاصرۂ مدینہ کے موقع پر ایک صحابی کے حوالے سے حضورؐ کی طرف جن دو مواقع پر ایسی نسبت کی ہے ان کے بارے میں اس کی عبارتیں یہ ہیں۔ حوالہ بذریعہ فوٹو از اصل مقالہ صفحات ۲۱۵-۲۱۶۔

When the Prophet left for Uhud, Ib Ubayy stayed behind with one-third of the Prophet's original force (3) and the battle resulted in the victory of the Meccans but the latter did not storm Medina One of the reasons why the Meccans did not press home their advantage in Medina was, as 'Amr b. al As is reported to have said, (4) that they had heard that Ibn Ubayy was in Madina with one-third of the Muslim force. This statement leads us to make an assumtion, namely, that the Prophet had spread the news that In Ubayy was at Median with his consent to serve as a reserve and to defend the city in case of danger. Such propaganda is a part of espionage work.

ترجمہ: "جب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی مدینے کی اصل طاقت کے تہائی حصے کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جنگ کا نتیجہ اہلِ مکہ

کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا (غلط بیانی) لیکن وہ مدینہ پر حملہ آور نہ ہوئے۔ عمرو بن عاص کی روایت کے مطابق ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سُن رکھا تھا کہ ابن ابی ایک تہائی مسلم فوج کے ساتھ مدینے میں ہے۔ یہاں سے ہم یہ مفروضہ قائم کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات پھیلا دی تھی کہ ابن ابی ان کی مرضی سے مدینہ میں بطور محفوظ فوج کے رُکا ہوا ہے تاکہ خطرے کی صورت میں شہر کا دفاع کر سکے ایسا پروپیگنڈا جاسوسی کے کام کا ایک حصہ ہے۔"

اب اس شخص کی بددیانتی ملاحظہ فرمائیے کہ بغیر کسی بھی دلیل کے اپنی طرف سے بات فرض کر کے ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور اس بنیاد پہ جاسوسی اور غلط خبر پھیلانے کا الزام لگا دیتا ہے۔

صورتِ حال یہ تھی کہ ابن ابی اس لیے مدینے میں رُک گیا تھا کہ مدینے کے اندر رُک کر لڑنے کی اس کی تجویز نہ مانی گئی تھی۔ اہل مکہ یہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تو اپنے گھر اور قبیلے کے دفاع میں ابن ابی بھی ضرور لڑے گا اس سے نتیجہ نکالنا کہ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود (خاکم بدہن) غلط اطلاع پھیلائی کہ یہ اپنے ناپاک مفروضے کو ثابت شدہ حقیقت کے طور پر پیش کرنا ذاتِ اقدس سے عناد اور دشمنی کی منہ بولتی مثال ہے۔

دوسرا واقعہ جو اس بدبخت نے ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کیا ہے وہ خیبر کی کارروائی کے دوران ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔ حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ ۱۰۵

Soon after his arrival at Khaybar the Prophet tried to buy off the Banu Ghatafan who were 40,00 strong. He sent Sa'd b. Mu'adh to meet 'Uyayna, who was in a Jewish fort, and offered him a year's crops of Khaybar for his retirement but 'Uyayna refused to accept this offer. (2) Then a rumour, most probably at the' prophet's instigation, was spread that the settlements of the Banu Ghatafan were under attack (3) The propagation of this false news, which is, after all, an important aspect of intelligence work, forced the Banu Ghatafan to

return to their territory to defend their own households

ترجمہ: "خیبر پہنچنے کے فوراً بعد رسول (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنو غطفان کو جس کی تعداد ۴۰۰۰ تھی، غیر جانبدار بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے سعد بن معاذ کو عیینہ (سردار غطفان) کے پاس جو ایک یہودی قلعے میں مقیم تھا بھیجا اور اسے خیبر کی ایک سال کی فصل کی پیش کش کی، لیکن عیینہ نے پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد یہ افواہ غالباً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکسانے پر پھیلائی گئی کہ بنو غطفان کی آبادیوں پر حملے کا خطرہ ہے۔ اس جھوٹی خبر کے پھیلنے سے جو بہرحال جاسوسی کے کام کا اہم حصہ ہے بنو غطفان اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ اپنے گھروں کے دفاع کے لیے اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جائیں۔"

اوپر حوالہ نمبر ۳ میں بدترین قسم کی تلبیس کی گئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر اپنی طرف سے جھوٹا بہتان باندھا گیا ہے۔ حوالہ واقدی کا ہے لیکن بددیانتی یہ ہے کہ اس حوالہ میں "غالباً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکسانے پر" کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ واقدی کی کتاب میں یہ ہرگز موجود نہیں۔ یہ تو ذاتِ اقدس پر جھوٹ باندھنے کی بدترین مثال ہے۔ یہ حقیقت ہے اس الزام کی کہ حضور اکرم نے نعوذ باللہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جھوٹی خبریں پھیلائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی یہ بیماری اس شدت سے اس بدبخت کو چمٹی ہوئی ہے کہ اس تمام بہتان تراشی اور ہرزہ سرائی سے بڑھ کر یہاں تک بدگوئی کر دیتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور نے نہ صرف ایک جاسوسی نظام قائم کر رکھا تھا بلکہ نعوذ باللہ (خاکم بدہن) خود بھی جاسوس تھے۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد، یہ بدبخت لکھتا ہے: حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ ۱۲۸۔

Because of the failure of the previous missions in the intelligence Same and because there was no more time left to examine the capabilities of anyone else, Muhammad himself accompanied by one of his companions get out on a spying mission.

ترجمہ: "جاسوسی کے کھیل میں سابقہ مشنوں کی ناکامی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ کسی اور (جاسوس) کی صلاحیت آزمانے کا وقت نہیں سمجھا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود اپنے ایک ساتھی کو ہمراہ لے کر جاسوسی کے مشن پر روانہ ہو گئے۔"

نیز حوالہ بذریعہ فوٹو صفحہ نمبر ۱۴۳

In the subsequent outcome of the unsuccessful attempts of thefirst two missions Muhammad did not rely solely on his agents, but he himself acted as a spy.

ترجمہ: "پہلی دو ناکام کوششوں کے نتیجے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف اپنے ایجنٹوں پر تکیہ نہ کیا بلکہ خود جاسوس کی حیثیت اختیار کر لی"۔ (نعوذ باللہ)

آزادی سے پہلے انگریزوں کے دورِ حکومت میں اسلام کے دشمنوں نے اپنے نام سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی گئی۔ مسلمانوں نے نہ صرف اس کا جواب دیا بلکہ ہرزہ سرا مصنف بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔

اب ہماری یونیورسٹیاں خود اپنے پیسوں سے لوگوں کو انگریزوں کے پاس بھیجتی ہیں، وہ انہیں یہاں اپنے ملک میں ہر طرح کی سہولتیں (تنخواہ سمیت) دیتی ہیں۔ وہاں کا سارا خرچ زرِ مبادلہ میں ادا کرتی ہیں۔ اور انگریزوں کے اسلام دشمن ادارے ان کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اس کے خلاف الزام تراشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ صرف اسی طرح کی تحریریں لکھنے پر بس نہیں کرتے، بلکہ یہ مستقل طور پر دشمنوں کے ایجنٹ بن کر ہمارے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں براجمان اور دانشورانہ حلقوں میں مسند نشین ہیں اور نئی نسل کو حضورؐ کے دامنِ عاطفت سے دور لے جانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر ہمارے لیے بے غیرتی کا کوئی اور مقام ہوگا۔

واضح ہو کہ یہ مقالہ زیرِ بحث اسلامیہ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے اور اوپر دیئے گئے حوالوں کی تصدیق لائبریری سے کی جاسکتی ہے۔

ہم اربابِ اقتدار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سرکاری خرچ پر لکھے جانے والے اس مقالہ کے

ذریعے توہینِ رسالت کے مرتکب اس بدبخت مصنف ڈاکٹر سلیمان اظہر کے خلاف فوری اقدام عمل میں لایا جاوے، اس سے پی ایچ ڈی پر آنے والا تمام سرکاری خرچ واپس لیا جاوے۔ اس کو سرکاری ملازمت سے فوراً علیحدہ کیا جاوے اور توہینِ رسالت کے جرم میں اسے شرعی سزا دی جائے۔

نوٹ: صمدانی صاحب کے مرسلہ اصل اوراق میں انگریزی عبارات کی فوٹو نقلیں شامل ہیں۔ طباعتی ضرورت کے لیے ہم نے الگ پرچے سے نکلوائے۔ (ادارہ)

خط منجانب مدیر ترجمان القرآن

مکرمی ڈاکٹر سلیمان اظہر صاحب! آپ کا مضمون بیعتِ عقبۂ ثانیہ اور حضرت عباسؓ درج کر دینے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ ہی وہ ڈاکٹر سلیمان اظہر ہیں، جنہوں نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ بہ عنوان:

THE DEVELOPMENT OF MILITARY INTELLIGENCE IN THE CAREER OF MUHAMMAD.

لکھا۔ اور یہ بھی تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ کے خلاف دینی حلقوں میں شدید ناراضگی و بیزاری کی لہر اُمڈ رہی ہے۔ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ آپ کو بہاول پور یونیورسٹی سے الگ کیا جائے اور آپ پر توہینِ رسالت کا مقدمہ چلایا جائے۔ ہم بھی اس مطالبہ کی تائید کرتے ہیں۔

جہاں تک آپ کے مضمون کے جواب کا تعلق تھا تو ایک پُرزور مدلل جواب طالب ہاشمی کے قلم سے آ رہا ہے، مگر دوسری طرف ہمیں اس بات کا صدمہ ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے ہم نے آپ کو ترجمان القرآن کے قیمتی صفحات میں محض بہاول پور یونیورسٹی کی رعایت سے جگہ دی۔ یہ ہم سے غلطی ہوئی اور اس کا ضروری حد تک اعتذار جوابی مضمون کے نیچے درج کر دیا گیا ہے۔

لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ سے لفظ اظہر ساقط کر کے ہمیں مغالطہ دیا۔ براہ کرم آئندہ کے لیے ہمیں معاف رکھیں۔ (مدیر)

رسائل و مسائل

رمضان، عید اور رویتِ ہلال کمیٹیاں

مولانا عبد المالک صاحب شعبہ استفسارات۔ منصورہ لاہور

سوال:۔ ہمارا گاؤں ..... سے تقریباً ۸ میل دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ شروع ہی سے ہمارے ہاں یہ معمول چلا آرہا ہے کہ عموماً لوگ سرکاری اعلان سے ایک دن پہلے رمضان المبارک کے روزے شروع کرتے ہیں اور ایک دن پہلے ختم کر کے عید مناتے ہیں۔ یہی حال اس علاقے کے تقریباً تمام دیہات کا ہے۔ رمضان المبارک اور عید کا اعلان ایک مقامی مدرسہ کا مہتمم کرتا ہے۔ جس کا صحیح حال اللہ ہی جانتا ہے، لیکن میرے علم کے مطابق درست نہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ کل روزہ نہیں ہے جبکہ مقامی علماء کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ روزہ ہے (اور یہ اعلان اکثر اوقات بغیر کسی معتبر شہادت کے ہوتا ہے)۔ اب میں بہت پریشانی میں مبتلا ہوں اور کوئی متعین صورت نہیں پاتا ہوں۔ آپ مہربانی کر کے ایک متعین اور واضح صورت بتا دیں کہ حکومت کے اعلان پر عمل کر کے تمام ملک والوں کے ساتھ روزہ رکھوں اور عید مناؤں یا مقامی علماء کے اعلان پر عمل کر کے مقامی لوگوں کے ساتھ روزہ رکھ لوں اور عید مناؤں۔ یہ بات بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان مقامی لوگوں میں ایک قلیل تعداد ان کی بھی ہے جو حکومت کے اعلان پر عمل کرتی ہے۔

اگر آپ مؤخر الذکر رائے پر جانے کی تاکید کرتے ہیں تو اس حال میں پہلے روزے کی فرض کی نیت کروں یا نفل روزے کی۔

اور اگر میں مقامی علماء کے اعلان کے مطابق پہلا روزہ رکھوں اور پھر ڈیوٹی

پڑھا حاضر ہو جاؤں۔ اور کالج میں لوگوں کا روزہ نہیں ہوتا جو کہ عموماً نہیں ہوتا۔ کیونکہ شہر کے لوگ اکثر حکومت کی پیروی کرتے ہیں۔ تو اس حال میں میرے لیے توڑنا مناسب ہوگا یا رکھنا۔

جواب: اب جب کہ حکومت نے رویت ہلال کے لیے ایک مرکزی کمیٹی تشکیل دے دی ہے اور پھر ضلعی سطح پر رویت ہلال کمیٹیاں بھی قائم ہیں جن میں قابل اعتماد علماء بھی شامل ہیں تو اس بات کا موقع نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ حکومت کی طرف سے رمضان شریف کا اعلان نہ ہو اور کوئی مقامی عالم رمضان شریف کا اعلان کر کے روزے رکھوانے شروع کر دے۔ اس کے بجائے حکومت کی رویت ہلال کمیٹیوں اور مقامی علماء کا فرض ہے کہ وہ آپس میں رابطہ قائم کریں۔ اگر کسی عالم نے شرعی شہادتوں کی روشنی میں رمضان کے چاند ہو جانے کا فیصلہ کیا ہو اور فیصلہ دینے والا عالم قضا کا اہل تھا تو وہ اپنے فیصلے کو ضلعی رویت ہلال کمیٹی کے سامنے پیش کرے اور ضلعی کمیٹی مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کرے اور ضلعی اور مرکزی کمیٹی کو چاہیے کہ وہ قواعد کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ دے۔ پھر ضلعی اور مرکزی کمیٹیوں کی طرف سے اس فیصلے کی تصدیق و تائید ہو جائے تو پورے ملک میں .... اس کے مطابق عمل ہو جائے گا۔ اور اگر مقامی عالم کا فیصلہ شرعی وجود کی بنا پر رد کر دیا جاتا ہے اور اس کی گنجائش موجود ہے، اس لیے کہ وہ باقاعدہ قاضی تو نہیں ہے تو ایسی صورت میں ملک کے کسی حصے کے باشندوں پر اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ البتہ وہ شخص یا اشخاص جنھوں نے شہادتیں دی ہوں اور انھیں یقین ہو کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے تو وہ روزہ رکھنے کے پابند ہوں گے، لیکن اگر نہ رکھیں تو ان پر کفارہ نہیں ہوگا۔ (کذا فی الہدایۃ) لیکن اگر مرکزی کمیٹی بلا وجہ اس طرح کے فیصلے کو نہیں مانتی تو اسے نااہلیت کی بنا پر توڑ دیا جائے۔

لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک رویت ہلال کمیٹیوں کو سرکاری کمیٹیاں سمجھ کر ان سے تعاون نہیں کیا جاتا اور یہ کمیٹیاں بھی اپنے فیصلوں میں شرعی ضوابط کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے علماء سے تعاون لینے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ نتیجہ افراتفری ہے اور ایسی صورت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ اپنے یقین اور عزم کے مطابق عمل کریں اور علاقے کے لوگوں سے

اتفاق و اتحاد کے پہلو کو بھی لازماً مدنظر رکھیں۔ نیز اصولاً لوگوں کو کسی مقامی عالم کے اعلان کے بجائے حکومت کی قائم کردہ آزاد رویتِ ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ اسی کی حیثیت قاضی کی ہے اور اسی کا فیصلہ قانونی فیصلہ ہے۔ جو لوگ اس سے ہٹ کر مقامی عالم کے اعلان پر روزہ رکھیں گے وہ نفل کی نیت سے روزہ رکھیں، رمضان کے روزے کی نیت نہ کریں۔

ٹریکٹر کے لیے بنک سے قرض

سوال: عرض ہے کہ آج کل ٹریکٹر شدید ضرورت ہے جو کہ زمیندار کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ مگر موجودہ دور میں قرضہ کے بغیر ایسا ممکن نہیں، جبکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سود حرام ہے۔ اب جو صورت پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت نے اعلان کیا ہے کہ زرعی بنک سے جو قرضہ لیں اُس کا سُود نہیں ہے۔ اس بنا پر ہمارے جماعتی دوستوں نے قرضہ زرعی بنک سے لیا۔ مگر مجھے ان کے اس طریقۂ کار پر شک ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس مسئلہ کو جلد حل کر کے روانہ فرمائیں گے اور واضح کریں گے کہ اس کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟

میں مینجر مقامی زرعی بنک کے ہاں گیا۔ انہوں نے معاملے کی تفصیل اس طرح بیان کی کہ ہم لوگ جب قرضہ جاری کرتے ہیں تو اس پر ۱۲ فیصد (سُود کا نام ایا) لیتے ہیں جو آج کل مارک اَپ سکیم کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ ہمیں نوکروں کی تنخواہ دینی ہوتی ہے۔ باہر سے جو قرضہ ہم حاصل کرتے ہیں اُس پر بھی سُود دینا پڑتا ہے۔ اِس وجہ سے یہ رقم قرض کی اصل رقم میں جمع کر دیتے ہیں جس سے ٹریکٹر خریدا جاتا ہے۔ پھر بارہ اقساط مقرر کرتے ہیں۔ اگر ادائیگی میں توازن نہ ہو تو ۳ فیصد مزید سرچارج بھی وصول کرتے ہیں۔ چونکہ فیصد اب سود در سود نہیں لگتے

صرف جو سود پہلے لگ جاتا ہے اُس کو وصول کیا جاتا ہے ۔

مہربانی فرما کر مندرجہ بالا مسئلہ پر غور فرمائیں اور جلد ہی مجھے مطلع فرمائیں تاکہ مسئلہ کا حل نکالا جائے ۔

جواب :- اسلامی نظریاتی کونسل نے بنک کے لیے جو غیر سودی منافع بخش کام تجویز کیے ہیں ان میں سے ایک کام یہ تجویز کیا ہے کہ وہ لوگوں کو سودی قرضے دینے کے بجائے وہ چیزیں فروخت کرے جن کے حصول کے لیے انہیں قرضہ درکار ہے ۔ مثلاً ٹریکٹر کے لیے کسی نے قرضہ مانگا ہے تو بنک قرض لینے والے سے کہے کہ ہم سے ٹریکٹر خرید لو ۔ اور بنک ٹریکٹر کی اصل قیمت خرید پر اپنا منافع لگا کر ٹریکٹر فروخت کرے ۔ ٹریکٹروں کی کمپنی سے بنک نے پہلے سے معاملہ طے کیا ہوا ہو اور ٹریکٹر کا خریدار بنک ہو ۔ اور کمپنی نے بنک کے لیے ٹریکٹر الگ کر دیے ہوں اور بنک کے کہنے پر وہ بنک کی طرف سے خریدار کو دے دیں ۔ اور بروقت ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ بنک کے بجائے حکومت لگائے جب کہ وہ سمجھتی ہو کہ جرمانہ لگانے کی معقول وجوہ موجود ہیں ۔ لیکن عملاً اس طرح سے نہیں ہو رہا ۔ اس لیے بنک سے کہا جائے کہ یا تو وہ ٹھیک اسی طرح سے اس کاروبار کو شروع کرے جس طرح نظریاتی کونسل نے اس کی سفارش کی ہے ۔ بصورتِ دیگر دھوکے سے سودی کاروبار کو غیر سودی نام سے جاری رکھنے کا کیا فائدہ ہے ۔

مطبوعات

ISLAMIC STATE رشحاتِ قلم سید مودودیؒ۔ مترجم (اردو سے انگریزی) و مرتبہ جناب مظہر الدین صدیقی صاحب۔ ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈیمی، کراچی۔

تعارفِ کتاب میں تاریخ کا بڑا اچھا خلاصہ سامنے رکھا گیا ہے کہ وہی دنیا جو پندرھویں صدی عیسوی میں اسلام کا دورِ عروج دیکھ رہی تھی، اٹھارھویں صدی عیسوی سے اس کا سارا معاملہ اُلٹ پلٹ ہو گیا۔ مسلمانوں کو سیاسی محکومی میں لینے کے بعد مغربی قوموں نے ان کے افکار و علوم اور ریاست و معاشرت اور سارے نظامِ تہذیب کے بخیئے اُدھیڑ دیئے۔ مگر مغربی علوم کے پرورش کردہ دانشور سیکولرازم کا مقابلہ کرنے میں بالکل عاجز ثابت ہوئے۔ یہ بڑی خوفناک شکست تھی۔

عالمِ اسلام کے اربابِ فکر و نظر اور ان کے ادارات اس شکست سے قوم کو نکالنے کے لیے برابر اس فکر میں لگے رہے کہ جدید دور کے مسائل کا حل اسلامی اصول و طریق کے ذریعے نکالا جائے۔ چنانچہ انہی کے درمیان جماعتِ اسلامی نمودار ہوئی جس کے سربراہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کو دینِ کامل کی حیثیت سے پیش کرنے کا فکری جہاد کیا۔ خصوصاً انہوں نے اسلامی اصول و مقاصد کے مطابق جدید دور میں چل سکنے والی اسلامی ریاست کا مکمل نقشہ مرتب کر کے قوم کے سامنے رکھ دیا۔ ان تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کے اندر از سرِ نو اعتماد بحال ہوا۔

مظہر الدین صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اسلامی ریاست کے متعلق مولانا سید مودودیؒ کی تحریروں کو جمع کر کے ان کا ترجمہ بھی کیا اور ان کو ترتیب بھی دی۔ ان کی یہی خدمت اس وقت کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ خدا کرے یہ دنیا میں بھی مقبول ہو اور آخرت میں بھی۔

تحقیقاتِ اسلامی (سہ ماہی) ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا سہ ماہی ترجمان - ایڈیٹر سید جلال الدین عمری - پتہ: پان والی کوٹھی - دودھ پور - علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ (انڈیا)
چندہ سالانہ بھارت سے ۲۵/- روپے - پاکستان سے ۱۰۰/- روپے -

بھارت میں مسلمانوں کو جہاں ہولناک آزمائشوں کا سامنا ہے، وہاں ناسازگار حالات نے ان کی خاص خاص قوتوں اور صلاحیتوں کو ابھار دیا ہے - وہ بعض ایسے کام کر رہے ہیں جو آزاد مسلم ممالک میں شروع نہیں ہو سکے - مثلاً علی گڑھ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی قائم کیا گیا ہے جس کے تحت متعدد روشن دماغ حضرات تحقیق کاوشوں میں مصروف رہتے ہیں - مثلاً اس وقت جو شمارہ دکتب تبصرہ میں شامل ہے (جولائی — ستمبر ۱۹۸۶ء) اس میں "امام غزالی کا تصوف" (ڈاکٹر غلام قادر لون) اور "اردو میں تاریخ نگاری" (ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی) دو تحقیقی مقالات شامل ہیں - بحث و نظر کے تحت "اسلام کا عقیدۂ توحید اور اس کے قرآنی دلائل" اور "مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام" دو مضامین شائع کیے گئے ہیں - تنقید و تبصرہ کے زیرِ عنوان "صلاح الدین ایوبی کی ایک سوانح" — انگریزی کتاب: SALADIN — مؤلف: اینڈریو ایس اہرینکہ یوٹز (EHRENKREUTS) پر پانچ صفحات میں تبصرہ کیا گیا ہے - حرفِ آغاز کے تحت ایڈیٹر صاحب نے "خدمتِ خلق کے چند پہلو" پر بصیرت افروز مضمون لکھا ہے -

---

افکار و عمل مؤلفہ: عاصم نعمانی صاحب - ناشر: دارالاشاعت احباب، گلاب مینشن، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور - کاغذ، طباعت، سرورق بہت اچھا - قیمت: ۱۸/- روپے

جناب عاصم نعمانی صاحب کئی سال سے جماعتِ اسلامی کی خدمت کر رہے ہیں - مولیناؒ کے پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے ڈاک کو نمٹانے کے علاوہ مولینا کے ملاقاتیوں کے شوقِ ملاقات کا دباؤ بھی بڑی خوبی سے سہتے رہے ہیں - اب وہ منصورہ کی مرکزی تربیت گاہ کے انچارج ہیں - ایک عرصہ سے جو کچھ باہر سے آمدہ رفقاء کو بتایا سنایا جاتا ہے اس میں بھی حصہ دار ہیں اور کارکنوں کے اندر جس جس چیز کی طلب ہوتی ہے اس کو بھی خوب سمجھتے ہیں -

اپنے علم، تجربے اور سمجھ بوجھ سے کام لے کر "افکار و عمل" کے عنوان سے انہوں نے مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ایسی تحریریں یک جا کر دی ہیں جن کا تعلق تربیت ذہن و کردار سے ہے۔ امید ہے کہ یہ مختصر سا انتخاب اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب رہے گا، اور کارکنان اس کی قدر کریں گے۔

خواتین، طلبہ اور طالبات کی تربیت گاہوں کے لیے بھی یہ مفید ہے۔

MUSLIMS IN YOGOSLAVIA	از قلم مشتاق پارکر، ایم ایس سی، لندن - ناشر: کریسینٹ اسلامک سنٹر، ٹورنٹو، کینیڈا- قیمت درج نہیں -

انگریزی تحریروں کا یہ دردناک مجموعہ بہت ہی خوبصورت معیارِ طباعت کے ساتھ آیا ہے مسلمانانِ عالم میں جب سے سر اُٹھانے کا جذبہ پیدا ہوا ہے، ہر جگہ (حتیٰ کہ مسلم ملکوں میں بھی لادینیت پسندوں کی طرف سے) ان کو سخت آزمائشیں درپیش ہیں۔ لیکن بعض ملکوں میں یہ آزمائش حد درجہ سنگین ہے۔ یوگوسلاویہ ایسا ہی ایک ملک ہے۔ اس میں کمیونسٹ ملحد حکومت کی مسلم کشی دل آزاری کی بڑی خوفناک مہم چل رہی ہے۔ عام مظالم کے علاوہ بعض خاص مقدمات اور نظر بندیوں کی داستانیں دل ہلا دینے والی ہیں۔ انہی میں سے ایک ملکہ صالحہ MELIKA SALEHBEGOVIC کی روئیداد آزمائش ہے جس کا ترجمہ اس اشاعت کے لیے تیار نہ ہوسکا۔ یوں سمجھیے کہ زینب الغزالی کی سی رُوح اس خاتون میں کام کر رہی ہے۔

اس کتاب یا پمفلٹ کو وہ لوگ ضرور پڑھیں جو پاکستان میں لادینیت اور سوشلزم کے جھنڈے بلند کر رہے ہیں۔

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن	رپورٹ آٹھواں سالانہ کنونشن، پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

اجلاس منعقدہ، لاہور مئی ۱۹۸۷ء۔ ناشر: ایسوسی ایشن مذکورہ - قیمت درج نہیں۔

اسلام کا سحر کی تصور سے کہ کام کیجیے تو ہر طرف مسلم قوتیں پراگندگی سے نکل کر صف بستہ ہونے

لگیں گی۔ اب دیکھیے کہ پاکستان کے بیشتر ڈاکٹر جو روپیہ سمیٹنے کے سوا کوئی مقصد ہی نہیں رکھتے (میں ایسے حضرات کی قدر و قیمت نہیں گھٹا رہا جن کا جذبہ خدمت دُنیوی منفاد پر غالب رہتا ہے) انہی کے درمیان میں سے کچھ جوان ہمت ڈاکٹر اٹھتے ہیں اور منظم ہو کر اسلامی مقاصد کو اپنی سیرت اور طب و علاج میں کارفرما کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آٹھ برس سے ان کا معمول ہے کہ وہ دو روز سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور اہم مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرتے ہیں — رپورٹ میں شائع شدہ تخلیص کردہ اُردو مقالات کے عنوان یہ ہیں :- ۱۔ "اسلامی معاشرے کی تشکیل میں خاتون ڈاکٹر کا کردار" (از ڈاکٹر شاکر خان) ۔ ۲۔ "ہماری نرسیں" (ڈاکٹر محبوب عالم) ۳۔ "طبی دُنیا کے فقہی مسائل اور ہماری ذمہ داریاں" (از ڈاکٹر محمد عارف جمیل)۔ علاوہ ازیں انگریزی شعبے میں پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کی تاریخ اور اس کی ضرورت کے علاوہ "طبی خدمت ایک عبادت ہے" "سچائی و انصاف ہے"، "کامیابی کے لیے تنظیم عوام ضروری ہے"، "افیونی مصنوعات کا مسئلہ"، "ایک مہلک سماجی خرابی"، "مریضانِ ذیابیطس کے لیے نئے غذائی رجحانات"، سامنے آتے ہیں، جو بعض مجالس کی بحثوں کا ماحصل ہیں۔

بہت ہی خاص چیز "معالجاتی اخلاق کا اسلامی ضابطہ" (کوڈیتی مسودہ) ہے۔ اس کے ساتھ مسلم ڈاکٹر کے لیے تجویز کردہ حلف ہے۔ باقی پمفلٹ میں متذکرہ مسودے کی تشریحات ہیں۔

ہم ایسوسی ایشن اور اس کے کارپردازوں اور آٹھویں سالانہ کنونشن کے شرکاء کو مبارکباد کہتے ہیں۔

آجلے دل	افسانوں کا مجموعہ از محمد صدیق خاں ۔ ناشر: مجلس فکر و ادب، کراچی ۔

پتہ : ۴/۹۷ ڈرگ روڈ، کیبنٹ کراچی ۸ **قیمت :** ۲۰/ روپے

ایک ادبی کتاب پر ترجمان القرآن کے صفحات میں تبصرہ کی گنجائش کم ہے۔ سرسری طور پر ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بقول یونس حسنی (تعارفی سطور کے مؤلف) "اس سے مس نہ ہوتے والی قدروں کے لیے لکھنے کی کوشش صحرا میں اذان پکارنے کے مانند ہے۔ ... پرانی حقیقتوں کا بیان

آج کے ادب میں گویا کسی وادی میں نئی راہ نکالنے کی مہم ہے اور اس لحاظ سے قابلِ قدر۔ کسی نے اچھے مقصد کے لیے کوئی نئے تجربات کیے تو سہی۔ چاہے ان میں سے ہر ایک پختگی اور معیاریت کی انتہا تک نہ پہنچے۔

محمد صدیق خاں کی سادہ سادہ سی ادبی زبان بہت اچھی ہے۔ بعض افسانوں کا فنی مقام بھی بلند ہے، مثلاً "میری ساس ایک ماں تھی" — "ایک انٹرویو" — "پھولوں کو آگ لگ گئی ابرِ بہار سے" — اور "طلسمی دنیا" — مگر طلسمی دنیا تو اگلی متعدد کہانیوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

"ایک حقیقت سو افسانے" کوئی مستقل افسانہ نہیں، ایک اور کہانی پر تبصرہ ہے۔ بعض جگہ تقریری انداز ابھر آتا ہے، کہیں کہیں ڈائرکٹ اپروچ اتنا زور کرتی ہے کہ جو باتیں واقعات اور کرداروں کے رویوں کی زبانوں سے ہونی چاہییں، انہیں آگے بڑھ کر مصنف پہلے کہہ ڈالتا ہے۔ پھر کسی کسی جگہ سیاسی رنگ بھی ہے، مثلاً "پاکستان زندہ باد"۔

برادرم محمد صدیق خاں! ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ فن میں مقصد اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں کہ آپ فن کو ناقہ بنائیں اور اس کے محمل میں مقصد کو سوار کریں اور مہار لے کے چل پڑیں۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کام ہمیشہ اچھے مقصد کے لیے کرنا چاہیے، مگر اچھے مقصد والے کو قابلِ رحم بن کے سامنے نہیں آنا چاہیے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے اس پہ لوگ میری ہمت افزائی کریں، بلکہ اچھے مقصد کے لیے اچھا فنی تفکر، اچھا اسلوب اور اچھا سلسلۂ واقعات بہ ترتیبِ دلکش پیش کرنا چاہیے۔

بہرحال بہ حیثیتِ مجموعی میں نے بتول اور الحسنات میں شائع شدہ آپ کی ان کہانیوں کو دیکھ کر یہی محسوس کیا کہ آپ میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ اس وقت آپ کی کہانیاں ایک خاص سطح تک کے لیے بہت موثر ہیں، مگر آگے چل کر وہ وقت آسکتا ہے کہ ہر سطح پہ ان کی قدر کی جائے، محنت شرط ہے۔

محض تعارف

ماہنامہ تبیان مدیر اعلیٰ مولانا شاہ حسین گردیزی - مقام اشاعت: دارالعلوم مہریہ صحافی سوسائٹی، گلشن اقبال - کراچی - سالانہ چندہ ۲۴/- روپے۔

ماہنامہ انجمن مدیر اعلیٰ ریاض الدین احمد - زیر نگرانی صبا اکبر آبادی - مقام اشاعت: ۸ ڈی IV ناظم آباد کراچی - سالانہ چندہ ۱۰/- روپے

AL — ISLAM ایڈیٹر: اے کے، ایم نذیر احمد - پتہ: بنگلہ دیش، اسلامک سنٹر ۱۷ نیو ایلیفنٹ روڈ، ڈھاکہ ۵ - بنگلہ دیش - قیمت فی شمارہ ۳/- روپے

ساتھی بچوں کے لیے اسلامی رسالہ - ایڈیٹر: مسعود کمال عباسی - پتہ: ساتھی پبلیکیشنز، الف ۱۰۶ اسیلم ایونیو، گلشن اقبال B ۱۳ کراچی ۴۷ - قیمت فی شمارہ ۱/- روپیہ

ماہنامہ دار العلوم دار العلوم دیوبند کا ترجمان - مدیر: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی - پاکستان میں پتہ: مولانا عبدالستار صاحب، مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان - سالانہ چندہ ۶۰/- روپے

ہفت روزہ ہوشدار افغان مسلم طلبہ کا ترجمان - ایڈیٹر: م - ابوراشد - قلم سے لکھ کر فوٹو سٹیٹ نقول لی گئیں - پتہ: ابوراشد، پوسٹ بکس نمبر ۱۵۶۸ - راولپنڈی۔

GREEN DOOM اسلامی ماہنامہ - مدیر: محمد یعقوب خان - ناشر: مسلم ویلفیئر سوسائٹی جموں وکشمیر - پتہ DOODH — GANGA — ROAD ، KAREN NAGAR — SRINAGAR 190010 ، (KASHMIR)

سمندر پار ممالک سے چندہ فی کاپی عام ڈاک سے ۱/۲ ڈالر - ہوائی ڈاک سے ۱۵ ڈالر۔

ماہنامہ تعلیمات باہتمام انجمن فاضلین - ادارہ تعلیم و تحقیق - جامعہ پنجاب نیو کیمپس، لاہور۔ مدیر اعلیٰ ڈاکٹر محمد اقبال ظفر - پتہ: جامعہ پنجاب نیو کیمپس، لاہور - چندہ سالانہ ۳۰/- روپے